حضرت

ابوذر غفاری رضؓ

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق زار اور
معاشی عدل کے علمبردار صحابی کی محققانہ سوانح
اور پُرکیف حالات ۔

علامہ سید مناظر احسن گیلانی رحؒ

دارالکتاب، کاندیولی ممبئی

حضرت

ابوذر غفاری رضؓ

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ زار اور معاشی عدل کے علمبردار صحابی کی محققانہ سوانح اور پُرکیف حالات ۔

علامہ سید مناظر احسن گیلانی رحؒ

دارالکتاب کاندیولی بمبئی

تفصیلات

* نام کتاب ________ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ
* مصنف ________ حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی رح
* باہتمام ________ عبد السلام خاں قاسمی
* تصحیح و نظر ثانی ________ مولانا، مفتی محمد الیاس صاحب قاسمی
* خوشنویس ________ طارق ابن ثاقب۔ دیوبند ۸۹ء
* سن طباعت ________ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ مطابق جون ۱۹۹۳ء
* مطبع ________ کلر آفسیٹ پرنٹرس دہلی۔
* ہدیہ ________ ۴۵/- روپے

خانقاہ منعمیہ قمریہ

ملا میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی۔ ۸



خدا کے نام سے آغاز کر رہا ہوں میں
جو مہرباں ہے بہت اور رحم والا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

تمام مصنفین اور قلم کاروں کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ تدریجاً ارتقائی منازل طے کرتے ہیں، اور ہزاروں صفحات سیاہ کرنے کے بعد ان میں پختگی آتی ہے۔ مگر بعض خوش نصیبوں کو یہ سلیقہ اور ذوق فیاضِ ازل کی طرف سے بلا اکتساب ومحنت کے عطا ہوجاتا ہے۔ انہی خوش نصیب مصنفین میں سے حضرت مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ بھی ہیں جنھوں نے اپنی طالب علمی کے دور میں قلم اٹھایا تو اپنے مزاج کی مناسبت کی وجہ سے سب سے پہلی تصنیف، رازدارِ رسول سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی سوانح ترتیب دی۔ مگر جب اہلِ نظر نے اس کا مطالعہ کیا تو اس میں طرزِ نگارش کی پختگی اور عقل وہوش کے ساتھ جذبِ روحانی کے پورے کمالات کا مشاہدہ کیے حتیٰ کہ حکیم الامت مجددِ ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ جو اس وقت تک مصنف سے بالکل ناواقف تھے ارشاد فرمایا کہ:

"اس کتاب کا مصنف یا تو عارف ہے یا اگر نہیں ہے تو آئندہ عارف بن جائیگا"

حکیم الامت کی نگاہِ دوررس نے جس شاندار مستقبل کی پیشین گوئی کی تھی وہ حقیقت میں عالم آشکار ہوکر رہی اور ملتِ اسلامیہ ممدوح کے علم وعرفان کے قائل ہوگئی۔

"حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ" کے کئی ایڈیشن سنہ ۱۹۱۳ء سے ابتک ہندوپاک میں شائع ہوئے مگر جس اعلیٰ درجہ کی کتابت وطباعت نیز کاغذ اور ظاہری وباطنی معیارِ حسن درکار تھا۔ اس سے یہ کتاب محروم رہی، حتیٰ کہ ۸۰ سال سے یہ کتاب بے شمار اغلاط کے ساتھ شائع ہوتی رہی۔

اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود یہ کتاب اپنی اشاعت کے روزِ اول سے ناشرین کی بے توجہی اور ستم ظریفی کا شکار رہی ہے۔ اور آج بھی اس پر مشقِ ستم ڈھایا جارہا ہے۔ راقم الحروف نے

بڑی محنت اور تگ و دو کے بعد اس کا ایک قدیم نسخہ جس پر کچھ اعتماد کیا جاسکتا تھا فراہم کیا، اور اسے اغلاط سے صاف کرایا، دیدہ زیب کتابت کے لیے بہترین خطاط کی خدمات حاصل کیں۔ ابھی کتابت مکمل ہوئی تھی، اور اغلاط سازی کا مرحلہ باقی تھا، یہاں تک کہ فہرست مضامین بھی مرتب نہ ہوسکی تھی کہ دیوبند کے ایک بددیانت تاجر نے جن کے پاس کتابت شدہ صفحات بطور امانت جمع تھے، کاپیوں کو زیروکس کرالیا اور ابھی ہم کتاب کی طباعت کے لیے مصارف کے انتظام میں لگے ہوئے تھے کہ اس نام نہاد تاجر نے ــــ جس نے ہمیشہ دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ یہ کتاب شائع کردی، اور اس طرح اپنی اخلاقی اور شرعی بددیانتیوں میں ایک اور "کارِخیر" کا اضافہ کرلیا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اس کتاب کے محرک و داعی جناب الحاج محمد یٰسین صاحب حافظ بنارسی کو جنہوں نے اس کا پرانا نسخہ فراہم کرکے طباعت بیڑہ اٹھایا مگر چند ناگزیر وجوہات سے یہ معاملہ سرد پڑ گیا خداوند قدوس نے یہ کارِعظیم جناب محترم محمد اسماعیل صاحب منصوری کے حصہ میں رکھا تھا۔ جن کے تعاون سے یہ کتاب زیورِطبع سے آراستہ ہوکر آپکے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت و عافیت کے ساتھ دینِ متین کی خدمت کی مزید توفیق سے نوازتا رہے۔ (آمین)

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ہم ہندوستان کے مشہور خطاط جناب طارق ابن ثاقب کا تذکرہ نہ کریں جنھوں نے والہانہ جذبہ سے سرشار ہوکر کتابت کی، اور بڑی احسان فراموشی ہوگی، اگر ہم اپنے برادر محترم جناب مفتی محمد الیاس صاحب قاسمی کا ذکر نہ کریں جنھوں نے کتاب کو اغلاط سے پاک کیا۔ اسی طرح سے ہم ممنون ہیں استاذ محترم حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب گونڈوی کے جنھوں نے اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر گرانقدر مقدمہ تحریر فرمایا۔ آخر میں مشکور ہیں اپنے ان رفقاء کے جنھوں نے طباعت کے مراحل میں ہاتھ بٹایا۔ اگر کتابت میں غلطی نظر آئے تو اہلِ علم مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ تصحیح کی جاسکے۔

عبدالسلام خان قاسمی

دارالکتاب، کاندیولی، بمبئی ۶۷

خطیب ملت حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب گونڈوی ناظم قاسمی دارالمبلغین دیوبند

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

گذشتہ دور جب دارالعلوم دیوبند سے بڑے بڑے جید الاستعداد علماء کرام اولیاء عظام ومشائخ دین ارباب درس وافتا بلند پایہ خطیب داعی اور مناد میدان خطابت وصحافت کے شہسوار اور جملہ شعبہ دین کے رجال کار پیدا ہوئے اور انھوں نے دارالعلوم دیوبند سے نکل کر ملک وملت اور علم وفن کی بڑی عظیم خدمات انجام دیں جن پر مسلمانان ہند جس قدر بھی ناز کریں کم ہے، انھیں مایۂ ناز فرزندان دارالعلوم میں سے حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی تھے، جنہوں نے دارالعلوم میں رہ کر ایک عرصہ تک تدریس کے فرائض بھی انجام دیا، اور تبلیغ دین متین کی خدمت بھی کی، عرصہ تک دارالعلوم کے ترجمان ماہنامہ رسالہ القاسم اور الرشید کی ادارت کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے پھر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے متعلق ہو گئے اور اس کے شعبۂ دینیات کی صدارت پر فائز رہ کر ریٹائر ہوئے، اور تصنیف وتالیف کی خدمت میں منہمک ہو گئے۔

مولانائے محترم کی چھوٹی بڑی بہت سی تصنیفات ہیں جن سے اہل علم اچھی طرح واقف ہیں، انھیں تصنیفات میں ایک عمدہ تصنیف لطیف سیرت ابو ذر غفاریؓ بھی ہے، حضرت سیدنا ابوذر غفاریؓ رسول الثقلین خطیب الحرمین حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ صحابی ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے زیر مطالعہ کتاب کو بڑے انہماک وعقیدت اور جذبۂ محبت سے سرشار ہو کر لکھا ہے اور دل نکال کر رکھ دیا ہے مسلمان جب اس کتاب کو پڑھتا ہے تو غیر شعوری طور پر اس کا دل عشق رسول اور محبت نبوی سے لبریز ہو جاتا ہے اور آخر میں پہنچ کر تو بے اختیار اس کی

آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں، اور آنسوؤں کے قطرات کو روکنے پر قادر نہیں رہتا، ویسے تو زیر نظر کتاب سیرت ابوذر غفاری رضؓ پہلے بھی شائع ہوچکی ہے، مگر عرصے سے نایاب تھی پھر کتاب جس شان کی حامل ہے افسوس ہے کہ اس کی کتابت وطباعت اور کاغذ اس معیار کا نظر نہیں آیا، ضرورت تھی کہ کوئی صاحب دل اس کو اس کی شان کے مطابق چھاپتا تاکہ اس ترقی یافتہ دور کے اہل علم اسے شوق سے پڑھتے اور ایمان وعمل کو جلا بخشتے

مولانا عبدالسلام خان قاسمی مہتمم دارالعلوم رشیدیہ نے بڑے تگ ودو اور کوشش وکاوش سے اس کا ایک پاکستانی نسخہ حاصل کیا اور ہندوستان کے نامور کاتب اور مشہور خطاط محترم طارق نعمانی صاحب سے کتابت کرائی جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود بڑے ہی والہانہ انداز میں کتابت کے مراحل طے کئے۔

مخدومنا المحترم محمد اسماعیل صاحب منصوری حفظہ اللہ نذیل بمبئی عظمیٰ جو علم نواز علماء شناس بزرگ ہیں، جن کو اس کتاب سے بڑا عشق ہے رمضان المبارک کی عرفانی بہاروں اور قدسی فضاؤں میں اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کے لئے رو رو کر دعائیں کرتے رہے ہیں، راقم الحروف نے موصوف گرامی سے بڑے پردرد انداز میں یہ کہتے سنا ہے کہ اس کتاب سیرت ابوذر غفاری کے چھپتے ہی ان شاء اللہ کچھ صدقہ کروں گا، یہ کہتے کہتے کھوکا کی بازار کی مسجد میں اشکبار ہوجاتے تھے، اور بلاشبہ ان کے مخلص مسلمان ہونے کی اور عاشق نبوی اور محبت صحابی سے ان کا سینہ معمور ہونے کی دلیل ہے انھیں کے تعاون سے مولانا عبدالسلام خان قاسمی مالک دارالکتاب بمبئی اسے چھپوا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی نصیب فرمائے اور زاد آخرت بنائے، آمین۔ نجم الہند حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اور محدث العصر حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید تھے، اور صاحب دل ہونے کے ساتھ

ساتھ صاحب نسبت بزرگ تھے، جن لوگوں نے انھیں دیکھا ہے ان کی مجلس میں بیٹھے ہیں، ان کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں وہ اس کی گواہی دیں گے۔

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رح کی سیرت اور سوانح عمری حیات مولانا گیلانی رح کے نام سے ہندوستان کے شستہ نگار قلم کار مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کے قلم پر بہار سے نکل کر منصہ شہود پر آچکی ہے، مفتی صاحب مدظلہ کا اسلوب نگارش اور طرز بیان قدیم وجدید کا سنگم اور عظیم شاہکار ہے جو ارباب ذوق علامہ مناظر احسن گیلانی رح کو پڑھنا چاہتے ہوں اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

اخیر میں ذوق مطالعہ رکھنے والے ارباب علم سے میری گذارش ہے کہ زیر نظر کتاب سیرت ابوذر غفاری کا مطالعہ ضرور کریں اور اپنے دلوں کو عشق نبوی اور محبت رسول سے معمور و پُرنور بنائیں۔

محتاج دعاء
عبدالسمیع خادم قاسمی دارالمبلغین دیوبند



قولِ حق تعالیٰ ہے، اس میں شک نہیں کوئی
ہر کسی کو چکھنا ہے، موت کا مزہ لوگو!

فہرست

دیباچہ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصْطَفٰی

واقعات وسوانح جو کچھ بھی اس عنوان کے تحت درج کئے جائیں گے ان کا زیادہ تر حصّہ اصابہ، اسدُ الغابہ، استیعاب اور ابن سعد وغیرہ سے ماخوذ و مستنبط ہوگا۔ کہیں کہیں بعض باتیں صحاح اور دیگر کتبِ حدیثیہ سے بھی لی گئی ہیں۔ مجھے چونکہ اس مضمون میں علاوہ تاریخی بیانات کے آخری اخلاقی نتائج کا درس دینا بھی مقصود ہے ـــ اس لئے بعض بعض مقاموں میں چند ایسی باتوں کا اضافہ کروں گا۔ ممکن ہے کہ عام دماغوں کو کتبِ متداولہ میں نہ ملیں کیوں کہ ان میں نہایت دقیق اور غامض قیاس اور اجتہاد سے کام لیا گیا ہے۔ اسی لئے ابنائے عصر و اقران کرام سے مجھے امید ہے کہ قبل کسی تجدد امعان کے وہ الزام و اعتراض کی طرف عجلت نہ فرمائیں۔

کہ در محیط نہ ہر کس شناوری داند

تاہم میں نے اپنے خاص خاص نتائج کو لکھتے ہوئے ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے جو نقلی اور قیاسی بیان میں تمیز بخش سکتے ہیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیق۔

جدید دیباچہ

تصنیف سے تیس ۳۰ سال کے بعد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

صالحات اور بننے والی باتوں کا بنانے والا اس کے سوا کون ہے کہ جہاں جلال ہے، اسی کا جلال ہے، اور جہاں عزت ہے، اسی کی عزت ہے. اسکی اعجوبہ طرازیوں کا کیا ٹھکانہ ہے. بڑے اور چھوٹے کاموں میں نہ جانیئے کہ جو چھوٹا ہے وہ چھوٹا ہی ہے، پر جو بڑا ہے، ہمارے اور آپ کے لحاظ سے وہ بڑا ہی ہے، لیکن جو سب سے بڑا ہے. اللہ اکبر، اسکے سامنے بڑائی کس کیلئے ہے.

اللہ اللہ، میں ان دنوں بیتے ہوئے دنوں کو کتنی حسرت کے ساتھ سوچتا ہوں، خیال آتا ہے کہ اس وقت جبکہ ہجری سن کے حساب سے ۱۳۶۴ھ ہجری کا سال ہے، اس سال کا یہی ربیع الاوّل الانور الاقدس کا پاک اور برگزیدہ مہینہ تھا، لیکن سن آج سے ٹھیک تیس سال پہلے ۱۳۳۴ھ ہجری کا تھا، دارالعلوم دیوبند کے مجلد شہریہ "القاسم"، کی ربیع الاول ہی کی اشاعت تھی کہ "حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کے عنوان سے یہی مضمون جو آپکے سامنے کتاب کی شکل میں پیش ہو رہا ہے شائع ہونا شروع ہوا تھا. لکھنے والے کے

سان وگمان میں بھی نہ تھا کہ جس مضمون کو ایک مجلاتی مقالہ کی حیثیت سے وہ لکھ رہا ہے، وہ کسی زمانے میں کتاب کا قالب اختیار کرے گا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ معلومات ومواد کے جس محدود ذخیرے کو سامنے رکھ کر مضمون شروع کیا گیا تھا اس کے لحاظ سے اس وقت یہ بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی۔

لیکن ربیع الاول، ربیع الثانی، الغرض ہر آنے والے مہینے میں "القاسم" کے شماروں پر شمارے نکلے چلے جاتے تھے، اور بالالتزام اس مضمون کا سلسلہ سب میں جاری تھا۔ سمجھا جاتا تھا کہ اب ختم ہو جائے گا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہر منزل پر پہنچنے کے بعد یہی دیکھا جاتا تھا کہ جتنا لکھا جا چکا ہے وہ اس کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے جو ابھی نہیں لکھا گیا ہے۔ الغرض دینے والا دیتا چلا جا رہا تھا اور لینے والا لے رہا تھا، خود لے رہا تھا اور دوسروں کو دے رہا تھا۔ اس عرصہ میں بعض حوادث بھی آئے۔ کچھ دن سلسلہ ٹوٹ بھی گیا۔ بہرحال وہی مضمون جو ۱۳۳۴ھ ہجری کے ربیع الاول کی اشاعت سے "القاسم" میں چھپنا شروع ہوا تھا، بالآخر ۱۳۳۷ھ کی ماہ ربیع الثانی میں گویا کامل چار سال ایک ماہ میں جا کر ختم ہوا۔

اور یہ ماجرا تو اس کتاب کے مضامین کی کمیت کا ہے، رہی کیفیت۔ تو ظاہر ہے کہ مضمون نگاری کی ابتدائی مشق کا وہ زمانہ تھا۔ واقعی طالب علمی تو اس کی اب بھی جاری ہے، اور لحد کو مہد بنانے سے پہلے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ جاری ہی رہے گی، لیکن اصطلاحی طالب علموں کے جرگے سے تقریباً انہی دنوں میں وہ علیحدہ ہوا تھا، زندگی کے جس سفر کی آخری منزل اب سامنے ہے۔ اسوقت

تک کل تیئس[1] سال اس پر گزر رہے تھے۔ ایسی حالت میں کیفیت کے متعلق کسی اہمیت کی بھلا توقع ہی کیا ہوسکتی تھی۔

لیکن اب میں کن الفاظ میں ان تعجب آمیز انبساطی احساسات کا اظہار کروں، جب اچانک امام الملت، حکیم الامت، سیدی الامام مولانا اشرف علی التھانوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ایک گرامی نامہ سے اسی مضمون کے متعلق پہلی دفعہ چونکایا گیا۔ حضرت والا سے شفاہی لقار کی سعادت اس وقت تک نصیب نہیں ہوئی تھی اس لئے اور بھی تعجب ہوا، گوچند سطروں ہی کا وہ عنایت نامہ تھا لیکن حضرتِ والا نے اس خط کو بھی ایک مستقل نام عطا فرمایا تھا، اور جسے عزّت بخشی گئی تھی وہ بھی ایک خاص خطاب سے نوازا گیا تھا۔ اسی زمانہ میں "القاسم" کی کسی اشاعت میں اس مکتوب گرامی"، کو شائع بھی کر دیا گیا تھا۔ اور اس وقت بھی موقع تھا کہ میں اس فیضِ شمامہ کو یہاں بجنسہٖ درج کرتا، لیکن افسوس ہے کہ باوجود تلاش کے " القاسم" کے پرانے فائل میں وہ شمارہ نہ ملا۔ کاش! میری اس آرزو کی تکمیل کوئی صاحب آئندہ زمانہ میں فرما دیں۔

---

[1] کیونکہ "مناظر احسن" خاکسار کا تاریخی نام ہے (۱۳۱۰) جس کے اعداد ہیں۔ اب اتفاقات کے ان محاسن کو کیا کہئے۔ آج بھی ربیع الاول ہی کا مہینہ ہے جس سال اس مضمون کی ابتدار ہوئی وہ بھی ربیع الاول ہی کا ماہِ مبارک تھا اور غلام کو جس آقا کی اُمتِ مرحومہ میں شریک کرکے پیدا کیا گیا، اس وقت بھی وہی ربیع الاول کی ۹ تاریخ تھی، جو آقا کی تشریف آوری کا مبارک و مسعود مہینہ تھا۔

[2] ۔ بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است ——— اضطراری سعادتوں کو بھی بزرگوں نے سعادت کی ایک قسم قرار دی ہے۔ فاللّٰھم لا تحرمنی عن ثمراتھا ۱۲

بہرحال جو کچھ یاد رہ گیا ہے، اب اسی پر قناعت کرتا ہوں، خط کا نام سمجھئے یا عنوان، یہ تھا:

خطاب مِن ھذا الفقیر الناظر　　الیٰ کتابِ السیّد المناظر

جس لقب سے سرفرازی بخشی گئی تھی وہ یہ تھا۔ یعنی خطاب کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا گیا تھا۔

"الیٰ سیّد الکاتبین احسن اللہ مناظرہٗ"

مضمون کے جس حصّہ کو پڑھ کر اس خاص عنایت کی طرف حضرتِ والا کی جو توجہ ہوئی ہے اس کے بعد اس کا ذکر تھا۔ ارقام فرمایا گیا تھا کہ:-

"اس مضمون کا لکھنے والا اگر محقق ہو چکا ہے تو یہ مضمون اس کی محققیت کی دلیل ہے، ورنہ محققیتِ متوقعہ کی دلیل ضرور ہے"

اصل مکتوب چونکہ سامنے نہیں ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ الفاظ میں تقدم وتأخر کا اختلاف پیدا ہو گیا ہو، لیکن الفاظ ان شاء اللہ یہی تھے، مجھے یہ یاد پڑتا ہے کہ "مجاذیب وبہالیل"، جو مسلمانوں کے فقراء کی ایک عام قسم ہے، اس باب میں فقیر نے جن خیالات کا اظہار اور جن مستند مآخذ کو اس سلسلہ میں پیش کیا تھا، اس پر خصوصیت کے ساتھ زیادہ شاباشی عطا فرمائی گئی تھی، بلکہ خیال آتا ہے کہ بطورِ وصیّت کے یہ بھی ارقام فرمایا گیا تھا کہ آئندہ ان کی مشہور کتاب —— "التکشّف" کو جو صاحب شائع کریں، اس میں مضمون کے اس حصّہ کا بھی اضافہ کردیں، واللہ اعلم، اس وصیّت کی تعمیل کی گئی یا نہیں۔ اور یہ پہلی بشارت تھی جو اپنے

عہد کے ایک مجدد کے ذریعہ سے اس مضمون کی کیفیت کے متعلق مجھ تک پہنچی۔

اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ اس زمانہ کے معاصر پرچوں میں بھی اس مضمون کی نقلیں شائع ہونے لگیں حتیٰ کہ مدراس کے ایک بزرگ نے تو کمال ہی کر دیا کہ ابھی مضمون نصف سے کم ہی شائع ہو سکا تھا، لیکن صبر سے کام نہ لے سکے اور تکمیل کا انتظار کئے بغیر جلد اوّل کے عنوان سے شائع شدہ حصّہ کو کتاب بنا کر انھوں نے چھاپ بھی دیا، مجھے اس کی خبر نہ تھی کہ ایک دوست نے اطلاع دی منگا کر دیکھا کاغذ خصوصاً قسمِ اوّل میں تو انھوں نے گویا آرٹ پیپر ہی لگایا تھا، لیکن کتابت اور طباعت حد سے زیادہ حوصلہ شکن تھی۔ اپنے فطری افتقار کی بنا پر خاموش ہو کر رہ گیا۔

پھر مضمون کی تکمیل کے بعد مطبع قاسمی کے مالک اور منیجر مولانا طاہر صاحب نے بھی کتاب کی شکل میں دوسری دفعہ اس کو چھاپا، مگر افسوس ہے کہ چھاپنے سے پہلے اس بار بھی مجھے مطلع نہ کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گویا کتابت وطباعت، کاغذ کے لحاظ سے تو چنداں شکایت کی کوئی بات نہ تھی، لیکن مدراسی نسخہ میں جو نقائص اور غلطیاں رہ گئی تھیں قریب قریب وہ ساری باتیں طبع دوم میں بھی رہ گئیں لیکن درویش کا قہر ظاہر ہے کہ جانِ درویش کے سوا اور کہاں جا کر ٹوٹ سکتا ہے۔

اس عرصے میں وقتاً فوقتاً بعض اہلِ نظر کی نظر سے یہ کتاب گزرتی رہی۔ ان نقائص اور خرابیوں کے باوجود میں نے تبریک وتحسین کے ان الفاظ کو ہمیشہ تعجب سے پڑھا۔ اپنے آپ کو جن کا کبھی مستحق نہیں خیال کرتا تھا ـــــ مولوی ظفر الملک علوی تو اپنے رسالے "الناظر" میں ہمیشہ اس کتاب کا اشتہار دیتے ہوئے

البتہ وہ ان الفاظ کو استعمال کرتے تھے کہ:

"نرالے اور البیلے تحریر کا ایک عجیب وغریب نمونہ ہے"

اس سلسلے میں کم ازکم میری نگاہ میں جس واقعہ کی حیثیت ایک تاریخی واقعہ کی ہے وہ اس فقیر اور مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی مدیر "صدق" ومترجم قرآن کے تعلقات کی ابتدار ہے جس حلقہ میں فقیر اور مولانا کے تعلقات کو آج خاص امتیاز کی نظر سے دیکھا جاتا ہے شاید ان حضرات کو یہ معلوم نہیں کہ ابتدار اسی کتاب "الغفاری" سے ہوئی۔

خاکسار جامعہ عثمانیہ میں "معلم الصبیانی" کی خدمت اختیار کرچکا تھا، جامعہ ہی میں ایک دن ایک کارڈ ملا، ایسے حروف میں لکھا ہوا جن سے آشنا نہ تھا اور حروف بھی ایسے کہ اپنی خاص خصوصیتوں کی وجہ سے ان سے یوں بھی آشنا ہونا مشکل ہی تھا، تاہم کوشش کی گئی اور بحمداللہ کامیابی ہوئی، اور ایسی کامیابی جس کا سلسلہ یہ توقع ہے کہ ابدتک ان شاراللہ تعالیٰ باقی رہے گا۔ الدنیا کے ساتھ ساتھ "الآخرة" میں بھی امیدوار ہوں کہ اس کے نتائج سے مستفید ہونے کا موقع بخشا جائے گا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ۔ مولانا عبدالماجد صاحب نے اپنے اس سب سے پہلے عنایت نامہ میں ارقام فرمایا تھا کہ:

"تمہاری کتاب جو صورۃً اگرچہ پڑھنے کے قابل نہ تھی، لیکن غالباً کسی کے کہنے سے میں نے جب اس کو پڑھ لیا، تو مصنّف کو اس کی محنت کی داد نہ دینا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید جرم اور گناہ کی حدتک پہنچ جائے۔"

الغرض اسی گناہ کے ازالہ کے سلسلہ میں اس رقیمہ مودّت سے سرفرازی بخشی گئی تھی

اس میں جو کچھ ارقام فرمایا گیا، کچھ یاد بھی نہ رہا۔ اور ضرورت اعادہ کی باقی ہی کب ہے "سچ" اور "صدق" کے صفحات میں "الحب للہ" کے زیر اثر ان کے قلم نے جو ابدی نقوش ثبت کئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اب اس سے زیادہ اس سلسلہ میں اور کیا لکھا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان صوری اور معنوی نقائص اور کوتاہیوں کے باوجود جواب تک اس کتاب میں باقی رہ گئی تھیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ کہنے والوں نے اگرچہ

مَن صَنَّفَ قَدِ اسْتُهْدِفَ جس نے تصنیف کی وہ نشانہ بنایا گیا

کے فقرے کو ضرب المثل کی حیثیت سے مشہور کر دیا ہے، لیکن خدا کے فضل و احسان کے سوا اسے اور کیا سمجھوں کہ فقیر کو بالکل اس کے برعکس اپنی اس کتاب کے متعلق مَن صَنَّفَ عُرِّفَ (جس نے تصنیف کی اس کی تعریف کی گئی) کا مسلسل تجربہ ہوتا رہا۔

نواب صدر یار جنگ بہادر سابق صدر الصدور ممالک آصفیہ سے نیازمندی کے تعلقات گو بہت قدیم ہو چکے تھے، لیکن ان کے سامنے اپنے تصنیفی کوششوں کو پیش کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

ایک خاص وجہ سے "الغفاری" ان کی نظر سے اتفاقاً جب گذری تو جو اثر اس کتاب سے ان کے قلب دانا اور ضمیر روشن نے لیا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پچھلے دنوں بیسیوں چیزیں فقیر نے لکھیں، لیکن شروانی صاحب نے سب کو پڑھ کر یہی ارقام فرمایا کہ "الغفاری" والی بات کسی میں نہیں۔ ایک مہینہ کے قریب ہوتا ہے کہ کلکتہ کے مشہور سیاسی مجاہد مولوی راغب احسن ایم اے کا شفقت نامہ آیا۔ وہ ایک زمانہ تک ڈاکٹر اقبال مرحوم کے حلقہ نشینوں میں رہ چکے

ہیں، ارقام فرماتے ہیں کہ تیری کتاب "الغفاری"، کو ڈاکٹر اقبال مرحوم بھی بہت پسند فرماتے تھے، بلکہ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اس کتاب میں حضرت ابوذر رضؓ کے جس خاص "معاشی نظریہ" کا ذکر کیا گیا ہے اسی کو نصب العین بنا کر ڈاکٹر مرحوم نے مولوی راغب کو آمادہ کیا تھا کہ "ابوذر سوسائٹی" کے نام سے مسلمانوں میں ایک خاص جماعت تیار کرنی چاہیئے۔

تیس سال کی مدت کے یہ سوانح ہیں، جو اس کتاب پر گذرے لیکن سیں ان کوتاہیوں کی وجہ سے جو اس میں رہ گئی تھیں ہمیشہ اپنے آپ کو قلق میں پاتا تھا۔ کچھ دن ہوئے ارادہ کر کے بیٹھ گیا اور نظر ثانی میں مشغول ہوا۔ عنفوانِ شباب کی لکھی ہوئی کتاب کو اپنی کہولت بلکہ شیخوخت کے قریب زمانے میں دیکھنے سے جو کسی مصنف پر گزر سکتی ہے، گزری تو جی چاہا کہ بجائے نظر ثانی کے نئے سرے سے اسے پھر مرتب کروں، اس عرصے میں بعض نئے معلومات بھی مختلف کتابوں میں مل گئے تھے، لیکن پھر خیال آیا کہ ایک خاص وقت ہی جو واقعی میری زندگی کا خاص وقت ہی تھا اس کے یاد دلانے کی جو کیفیت کتاب کی موجودہ حالت میں پائی جاتی ہے، جدید ترتیب و تدوین میں وہ بات جاتی رہے گی، مناسب یہی معلوم ہوا کہ نومشقی کے زمانے میں جس طرح بھی جو چیزیں پڑھی تھیں، اب اس کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے بلکہ بعض جاننے والوں[1] نے تو مجھ سے یہ بھی کہا کہ جس

---

[1] یہ رائے میرے حقیقی منجھلے بھائی برادرم مولوی سید مکارم احسن گیلانی سلمہ اللہ تعالیٰ کی ہے انھوں نے جن حالات میں مجھے زندگی کے مختلف نشیب و فراز میں پایا ہے، اتنی واقفیت اور کس کو ہو سکتی ہے۔ اس لئے ان کی ... ئے کا مجھ پر خاص اثر ہوا۔ ۱۲

حال میں یہ مضمون تم نے لکھا ہے، چونکہ اب وہ حال تمہارا باقی نہیں رہا ہے، اسی لئے گو یہ ہوسکتا ہے کہ جدید ترتیب و تدوین میں الفاظ اور عبارت کے لحاظ سے کتاب زیادہ بہتر اور پختہ بن جائے۔ لیکن تاثیر کی جو کیفیت اس میں تمہارے اس زمانہ کے باطنی واردات اور احساسات کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے، وہ یقیناً پیدا نہ ہو سکے گی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اس کتاب کے جن تاثیری نتائج کے معائنہ کرنے کا موقع وقتاً فوقتاً مجھے ملتا رہا ہے۔ اپنے کسی دوسرے مضمون یا کتاب کے متعلق ان کا تجربہ کبھی نہیں ہوا، بہار کے ایک رئیس و عالم جو مجھ سے عمر میں کہیں زیادہ تھے، حضرت مولانا محمد علی صاحب (مونگیر) قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خانقاہ کے حجرے میں ایکدن ان کو دیکھا کہ پلنگ پر لوٹ رہے ہیں اور ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ ان کا نام تھا، مظفر پور وطن تھا۔ ایک مستقل عربی مدرسہ کے ناظم وبانی تھے، اب انتقال ہو گیا، بہرحال اس حال میں ان کو پا کر جب میں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ — فرمانے لگے کہ کیا ہوا؟ خود تم نے ذبح کیا اور پوچھتے ہو کہ تڑپتے کیوں ہو؟ — فرمانے لگے، بھائی! — ابھی تمہارا مضمون حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ والا پڑھ رہا تھا۔ بعض مقامات اس کے ایسے تھے کہ دل بے قابو ہو گیا اسوقت رو رہا ہوں اور ایک انہی کو نہیں، متعدد حضرات پر اس کتاب کا اثر یہی پایا گیا ہے۔

ان ہی وجوہ واسباب نے جدید تدوین و ترتیب کے خیال سے توہٹا دیا، صرف کتابت کی غلطیاں جہاں جہاں رہ گئی تھیں۔ حتی الوسع انکو درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور کچھ جدید معلومات اس عرصے میں جو جمع ہو گئے تھے — ان میں سے بعض ناگزیر اہم باتوں کا اضافہ چند مواقع پر کر دیا گیا ہے۔

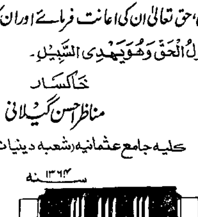
ہمارے برادرِ عزیز مولوی مخدوم محی الدین صاحب (نظام آبادی) نے میری تصحیح اور اس اضافے کے بعد والے مطبوعہ نسخہ کو پھر قلم سے نقل کر کے میرے حوالے کر دیا تھا، جو کئی سال سے میرے پاس پڑا ہوا تھا، اب میرے محترم دوست مولوی غلام دستگیر رشید پروفیسر نظام کالج کی تحریک سے مولوی سید عبدالرزاق صاحب مالک ادارہ اشاعتِ اُردو تیار ہوئے ہیں کہ اس مضمون والے نسخہ کو طبع کر کے شائع کریں، حق تعالیٰ ان کی اعانت فرمائے اور ان کا یہ نیک ارادہ پورا ہو۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔

خاکسار

مناظر احسن گیلانی

کلیہ جامعہ عثمانیہ (شعبہ دینیات) ۲۲ ربیع الاول

سنہ ۱۳۶۴



عہدِ ازل سے آج تک کس کو ملا ہے یہ شرف؟
تیری ہی ذاتِ پاک پر ختم ہوئی پیمبری!

ثاقب نعمانی

حضرت ابوذر غفاریؓ

قبیلۂ غفار کی جائے سکونت مکہ کرمہ سے جو کاروانی راستہ پہاڑوں کے دروں اور ریگستانی بیابانوں میں ہوتا ہوا شام و فلسطین کی طرف جاتا ہے، ٹھیک اسی شاہراہ کے کسی ایک سمت میں غفار بن ملیل بن ضمیر (جو کنانی النسل عرب تھے) کی اولاد غفار کے نام سے بسی ہوئی تھی

---

[1] حافظ ابن حجرؒ نے واقدی کے حوالہ سے بدر (مشہور واقعۂ کارزار) کے ذکر میں نقل کیا ہے کہ عن غیر واحد من شیوخ بنی غفار" انما هي مأوانا ومنازلنا" ص۲۲۲ مطبوعہ مصر نسخۂ صدیقیہ میں کلاہی مطلب ہے کہ بنی غفار کے متعدد بزرگوں کا بیان ہے کہ بدر ان لوگوں کا ماویٰ اور قیام کی جگہ تھی ممکن ہے کہ قبیلۂ غفار کی مختلف منازل میں یہ بھی ہو۔ ۱۲

[2] کنانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پندرہویں پشت میں واقع ہوتے ہیں اور انہیں پر حضرت ابوذر غفاریؓ آنحضرت سے مل جاتے ہیں سیأتی التفصیل ۱۲ [3] بخاری، طبقات بن سعد ج۴ ص۱۶۱ [4] قریش اپنے ملک سے تجارت کی غرض سے دو موسموں میں نکلا کرتے تھے۔ گرمیوں میں ان کا سفر شام و بصریٰ کی طرف ہوتا تھا۔ اس کا نام رحلۃ الصّیف یعنی گرمی کا سفر تھا۔ اور سردیوں میں وہ یمن کے مرکزی شہروں میں گھومتے ہوئے عراق کی طرف پھیل جاتے تھے اور اس کا نام رحلۃ الشّتا یعنی سردی کا سفر تھا۔ قرآن مجید نے ان کے دونوں سفروں کا ذکر کسی خاص مناسبت کے ساتھ کیا ہے ۱۲

عام طور سے اس کا تلفظ غین کے زبر اور ف کے تشدید کے ساتھ کیا جاتا ہے جو غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ غین کو کسرہ یعنی زیر، اور ف کو بغیر تشدید کے پڑھا جائے۔ یعنی غِفَار۔

غفاریوں کے اخلاق وعادات قریش کے رحلۃ الصیف کا ایلاف وشوق انھیں پہاڑی سڑکوں کی پشت پر پورا ہوتا تھا آئے دن قریشی تاجروں، عربی ساہوکاروں کے ہزاروں اونٹ، عرب کی مخصوص پیداواروں سے لدے ہوئے شام کی طرف جاتے تھے اور وہاں سے شامی غلے اور رومی دولتوں کے انبار عرب لاتے تھے۔ خیال کیا جاتا تھا کہ جوں جوں نطینی حکومت شام میں اپنے قدم جماتی جارہی تھی عربی تجارت کو خاص ترقی ہوتی رہی۔ غسانیوں کی پشت پناہی میں رُومی درباروں تک عرب کی بخوبی گزر ہوتی تھی ان کے لئے ان ملکوں میں ہر طرح کی آسانیاں مہیا ہوتی رہیں تا آنکہ آخر زمانہ میں تو عرب تجارت سے رُومی حکومت نے چُنگی کا محصول بھی اُٹھا دیا تھا۔

قیاس کا مقتضیٰ ہے کہ عرب کی ان تجارتی ترقیوں پر راستے کے قبائل و اعراب کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑنے لگیں اور رفتہ رفتہ اس معاملے نے یہ صورت اختیار کی کہ غِفار کے جوشیلے بہادر نوجوانوں سے نہ رہا گیا۔ پھر جیسا کہ جہالت وافلاس اور شجاعت کے مجموعی جذبات وقویٰ کا تقاضا ہے۔ غفاریوں کے ہاتھوں سے دامنِ صبر چھُوٹ گیا۔ گزرنے والے قافلوں پر انھوں نے ڈاکہ زنی شروع کر دی بے چارے راہ گیر وغریب مسافروں کو لوٹنے لگے۔

اس کے بعد یہ ناممکن تھا کہ ان کی غارت گری اسی حد تک آکر ٹھہر جاتی

ہر جرم دوسرے جرم کا مقدمہ ہے، علم النفس کا ایک مشہور و مسلّم قانون ہے ضمیر کے خلاف جس وقت ایک کمزوری بھی سرزد ہوجاتی ہے تو آئندہ اب اس کا انسداد مشکل ہوجاتا ہے، بسا اوقات بے باکی بہت دردناک ہوجاتی ہے۔ غفاریوں کو کیا معلوم تھا کہ راہ زنی کے بعد انھیں اِردگرد کے قبیلوں کے ریوڑ بھی تاخت و تاراج کی دعوت دیں گے، حتیٰ کہ ایسا ہی ہوا غفاری ڈاکوؤں کی ایک جماعت تھی جو صبح کی اندھیریوں میں اکثر قبیلوں پر چھاپے مارتی چراگاہوں پر دھاوے کر کے ان کے اونٹوں کو ہنکا لاتی[1]

اور آہ کہ اسی پر بس ہوجاتا تو ایک حد تک غنیمت تھا لیکن یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ جب عیش پرستی اور مال اندوزی کے ناپاک جذبات کا روحوں اور دلوں پر تسلط ہوجاتا ہے تو انسان پھر انسان باقی نہیں رہتا، اس کے دل و دماغ پر مہر لگ جاتی ہے۔ پھر وہ نہ حقوق اللہ کی پروا کرتا ہے اور نہ خلق اللہ کی زبانِ ملامت اسے روک سکتی ہے۔ حرص و ہوا کے دیوتاؤں نے ہمیشہ روحانیت کی دیواروں کو معمورۂ دل سے ڈھا کر برباد کیا ہے، حتیٰ کہ احساسِ عزّت و خودداری بھی معطل ہوجاتے ہیں۔

بنی آدم اپنی ہستی آپ فراموش کر بیٹھتا ہے اسے بالکل خیال نہیں ہوتا کہ میری حرکتوں پر دنیا کیا کہے گی، خدا کو کیا جواب دوں گا۔

یہی بدحالی یہی ابتری غفاریوں پر آخر میں طاری ہوئی کہ اب تک وہ جو کچھ بھی کر رہے تھے، عرب کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی اور ایک حد تک ایامِ جاہلیت کے بین الاقوامی قانون کے اعتبار سے یہ امر چنداں شنیع بھی نہ تھا، لیکن اب انکا

---

[1] مستنبط از طبقات ابن سعد و صحاح۔

قدم اور زیادہ تیز ہوا۔ یعنی اشہر حُرم کی تعظیم و تکریم جو عرب اور تمام عرب کے نزدیک خواہ وہ کسی صورت میں ہو، ایک مذہبی روایت، قومی خصوصیت کی شکل میں مسلم تھی۔

مگر ان دنیا پرستوں نے میرے خیال میں محض اس لئے کہ ان چار مہینوں کے قافلے ہاتھوں سے بلاوجہ ضائع ہو جاتے ہیں، متفق ہو کر یہ قانون پاس کر لیا کہ اشہر حرام کے تمام احکام و رعایات ایک بے معنیٰ مذہبی ڈھکوسلے ہیں جنہیں علاوہ قدامت پرستی کے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایک عظیم معاشی نقصان جو کسی طرح

---

[1] اشہر حرام چار ہیں، جن کی ترتیب صحیح روایات کے اعتبار سے یہ ہے۔ رجبُ۔ ذی قعدہ۔ ذوالحجہ محرّمؔ۔ رجب کو رجب مضر اس لئے کہتے ہیں کہ ربیع کی نسلیں بجائے رجب کے رمضان کا احترام کرتی تھیں قبائل عرب ان مہینوں میں قتال و محاربہ، تاخت و تاراج کو حرام سمجھتے تھے حتیٰ کہ اس کی پابندی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ ان مہینوں میں کسی کے سامنے اس کے باپ کا قاتل بھی آجاتا تو قتل و قتال کو کیا بُرا بھلا کہنا بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ بعد کو جب عرب میں ملّتِ ابراہیمیہ کی جانب سے لاپرواہیاں ہونے لگیں تو احتیاط میں کمی ہونے لگی۔ حیلے بہانے کی بنا پڑی مثلاً اگر محرم میں ان کو لڑنا منظور ہوتا تو محرّم کی حرمت صفر میں منتقل کر دیتے اگر اس میں بھی فرصت نہیں ملتی تو ربیع الاوّل اس بارِ عظیم کا حامل قرار پاتا۔ وہکذا۔ حتیٰ کہ اخیر میں کلیہ ہو گیا کہ حرمت صرف سال کے چار مہینوں میں ہے، تخصیص کی قید لغو ہے، مگر اس میں بھی انھیں دقت ہونے لگی ۱۲ مہینے جلد جلد ختم ہو جاتے تو پھر سال میں اضافہ ہوا۔ کوئی سال تیرہ مہینہ کا اور کوئی ۱۴ کا۔ اِلیٰ غیر ذٰلک۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قابلِ برداشت نہیں، غفاریوں کو اٹھانا پڑتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ محض اس عقیدہ کی وجہ سے ہماری رفاہیّت قومیہ افلاس ومسکنت کی شکار بن جائے۔

الغرض قبیلۂ غفار نے اشہرِحرام کی حرمت کو حلال کر کے پھر وہ کھیل کھیلا کہ عرب کی سب سے بہادر قوم قریش بھی ان کی ترکتازیوں سے دبنے لگی، انھیں ہر موقع پر باوجود سیّدُ الاقوام ہونے کے ان کی رعایت کرنی پڑتی ہے۔[1]

آپ کی ولادت اور نام ونسب

غفاریوں پر اسی قسم کے طغیان وتمرّد کے بادل چھائے ہوئے تھے، لیکن عین انہیں دنوں میں جنادہ بن کعب، صغیر بن الواقعہ بن سفیان بن حرام بن غفار کے گھر رملہ بنت ربعیہ کے بطن سے جو ایک غفاریہ خاتون تھیں وہ سعید لڑکا پیدا ہوا، جس سے زیادہ سچی زبان

(حاشیہ ص۱۱ کا)

ان تحریفات کا اثر موسمِ حج پر بھی پڑتا تھا، حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنہ ۹ھ میں جب حج کیا تو ذیقعدہ کا مہینہ تھا آخر میں جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج سنہ ۱۰ھ میں کیا تو ذوالحجہ کا مہینہ تھا جو ٹھیک موسمِ حج تھا۔ اسی بنا پر آپ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا۔ الا ان الزمان قد استدارت کھیئتہٖ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض (صحیح) جس وقت خدا نے آسمان وزمین پیدا کیے تھے زمانہ کی جو ہیئت اس وقت تھی اسی پر آج پھر گھوم کر آگیا۔

قرآنِ مجید نے بھی ان مہینوں میں فساد اور ظلم سے منع کیا ہے، مگر بالاتفاق مقصود یہ ہے کہ ان مہینوں میں ارتکابِ جرائم میں زیادہ برائی ہے ورنہ یوں تو گناہ گناہ ہے اور ہر آن میں ہے یہ بجنسہٖ ایسا ہے کہ سرزمینِ حرم کو ایک خاص خصوصیت ہے کہ گناہ کی برائی اس میں زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔

---

[1] ماخوذ از بخاری۔

والے انسان کو زمین نے اپنی پشت پر کبھی نہیں اٹھایا تھا اور نہ آسمانوں نے اس سے اصدق ترین لہجے والے کو اپنے آغوشِ ظلال میں پالا تھا[1]۔ اور جو اپنے عیسوی تقویٰ کی وجہ سے اخیر میں شیخ الامت کے نام سے ملقّب کیا جانے کا بجا طور پر مستحق قرار پایا۔

ماں باپ نے آپ کا نام جندبؓ[2] رکھا اور اسی نام کی وہ پیاری تفسیر ہے جسے حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے "یا جنیدبؓ" کے مشفقانہ خطاب میں استعمال فرمایا ہے۔ ابوذر آپ کی کنیت ہے عام طور سے آپ اسی کنیت کیساتھ مشہور ہوئے۔

ایامِ جاہلیت کے ابتدائی حالات وسِیَر یہ بالکل ناممکن ہے کہ انسان جس قوم میں پیدا ہو ان کے عادات واطوار کے پرتو ان پر نہ پڑیں۔ اِلّا مَاشَاءَ اللّٰہ۔ غفار ایک غارت پیشہ راہ زن قوم تھی تو کوئی تعجب نہیں اگر حضرت ابوذر غفاریؓ میں بھی ان کے عادات وخصائل پیدا ہوتے بالآخر یہی ہوا۔ جب کچھ جوان ہوئے، تیر وکمان سنبھالنے کی صلاحیت پیدا ہوئی دست وبازو نے تلوار کے قبضہ کی طرف اشارہ کیا، اٹھے اور جا کر قافلوں کو لوٹ لیا، ریوڑوں کو بھگا لائے، فطری شجاعت نے ان کو اور بھی جری بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی زیادہ ولولہ اٹھتا۔ تو تنِ تنہا راتوں کو قبیلوں پر جا پڑتے۔۔۔ اور

---

[1] یہ نصِ نبوی ہے جیسا کہ عنقریب آپ کے مناقب میں اس کی تفصیل آتی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی رہی ہے، کما سیاتی ۱۲ [2] بعضوں نے آپکا نام "بریر" بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بھی ہو۔ کیا ایک آدمی کے دو نام نہیں ہوتے۔ ۱۲ [3] ابن سعد ۱۲

عرب کے بہادر گلہ بانوں کو للکار کر تہ تیغ کرتے ہوئے اونٹوں کو بھگا کر اکیلے اپنے قبیلے تک لے آتے۔ کبھی خیال گزرتا تو گھوڑے کی پیٹھ پر بلا کسی رفیق کے کاروانوں کو لوٹ کھسوٹ لیتے تھے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے، ان کا حملہ پیادہ ہوتا تو عجیب چستی و چالاکی سے قافلوں میں گھستے تھے، ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بپھرا ہوا شیر بکریوں میں جا پڑا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اپنی اس قزاقانہ مساعی پر قوم کے بزرگوں کی خوب خوب دادیں ملیں اور چونکہ جوان طبیعتوں کی اشتعال پذیری کے لئے اس سے زیادہ مؤثر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے انھوں نے راہ زنی میں نمایاں حصہ لینا شروع کیا ہوگا اور اس معاملہ میں بہ نسبت اور لوگوں کے ان کی دست درازیاں حد سے گزر گئی ہوں گی۔

راہ زنی سے توبہ اور میرے نزدیک یہی زیادتی شاید ان کے لئے مفید ہوئی۔ غالباً ان کی سلیم فطرت بچوں کے مسلسل شور و بکا، عورتوں کی گریہ وزاری سے اخیر میں متاثر ہوئی۔ ناممکن ہے کہ ڈھاڑیں مار مار کر بے چاری عورتیں ان کے قدموں پر روز و شب تڑپتیں اور وہ دل جو قدرت نے ان کے سینے میں ودیعت فرما دیا تھا ان سے نہ پگھلتا۔

آخر پگھلا، پسیجا، آپ پر اصلی فطرت غالب آگئی اور صحبت کے بُرے آثار جو طبعی نہ تھے مقہور ہو گئے، آپ کو اپنی ان ظالمانہ حرکتوں پر سخت ندامت ہوئی عقل نے بھی اندرونِ دل میں رافت و رحمت کی بوندیں ٹپکائیں ___ اور اخیر میں یوں سمجھو کہ وہ ہمیشہ گرتوں کو سنبھالتا ہے اور ڈوبتوں کو تراتا ہے:

مُردے سے زندوں کو اٹھاتا ہے۔ اسی کا دستِ کرم ظاہر ہوا اور کھُل گیا کہ یہ جو کچھ ہے حرص کی غلامی اور ہوا و ہوس کی پرستاری ہے۔

ادھر خیالات میں یہ انقلابِ عظیم پیدا ہوا، شرِ خیر کے دریا کو جنبش میں لے آیا کہ اس کے بعد ہی جیسا کہ ہر تائب کو توبہ کے بعد ہوتا ہے کہ جرائم و معاصی کی مفصّل فہرست آنکھوں کے سامنے کھُل گئی گذشتہ تعدیوں، خونریزیوں کے خیال نے ہوش اُڑا دیئے آخرت کے خیال نے دل میں ہل چل ڈال دی۔

اسلام سے پہلے عبادتُ خدا کا خیال

عرب مشرک ضرور تھے، دیوتاؤں اور دیویوں پر انھیں بھروسہ تھا، اور بنی غفار بھی تمام اعمالِ ضلالات و خبث میں ان کے دوش بدوش تھے، لیکن قرآن و حدیث آثار و اشعار کی تتبع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو انھوں نے سرے سے بھلا نہیں دیا تھا۔ اگر ہم کہیں کہ وہ اپنے تمام معبودوں میں خداوند تعالیٰ کو سب سے بڑا سب سے زیادہ قدرت والا مانتے تھے تو کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ بتوں کو انھوں نے محض سفارت و شفاعت کا درجہ دے رکھا تھا اپنی معمولی حاجات یا صرف دنیوی ضروریات کو ان کے آگے پیش کرتے تھے ورنہ اگر کوئی امرِ مہم پیش آجاتا تو اس وقت ان کی پیشانی بھی خدائے واحد ہی کے آگے جھک جاتی تھی۔

فَاِذَا رَكِبُوا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ۔ ٭ ٭ ٭

جب کشتیوں پر سوار ہوتے ہیں تو خدا کو سچے دل سے پکارتے ہیں، پھر جب خدا انھیں خشکی کی طرف نکال دیتا ہے تو وہی شرک کرنے والے ہو جاتے ہیں۔

سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے، اور نہ صرف اسی قدر بلکہ بعض قبیلوں کے دلوں میں تو چنداں وقعت بھی نہ تھی۔ کھجوروں کے بُت کو قحط کے ایّام میں عربوں کا چٹ کر جانا، ان کی دلی تکریم کی پوری تشریح کرتا ہے۔

بہرکیف وہ خداوند تعالیٰ کو ضرور مانتے تھے اور سب سے بڑا معبود مانتے تھے اپنے اہم معاملات میں اسی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ علی الخصوص جب کہ کوئی اُخروی دوینی ضرورت ہو۔

اور اسی بنا پر میرا قیاس ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوں کہ اپنی عاقبت[1] کی بدانجامی کا خوف روز بروز بہت زیادہ شدّت پذیر ہوا کہ مضطرب ہو کر انھوں نے بجائے اساف و نائلہ، لات و عُزّیٰ کے یہی رائے قائم کی کہ "میرا جُرم عظیم ہے، میں نے سینکڑوں بیکسوں، مسافروں، بچّوں اور عورتوں کو بے دردی کے ساتھ ستایا ہے اس لئے اب مجھے اپنی عمر کا باقی حصّہ اکیلے خدا کی عبادت و پرستش میں گزار دینا چاہیئے۔ ممکن ہے یہی عبادت گزشتہ معصیتوں کا کفارہ ہو جائے۔ اس خیال کا رنگ آپ پر اس قدر گہرا ہو کر چڑھا کہ بغیر کسی تعلیم و ارشاد کے خود اپنے جی سے عبادت کی کچھ صورت مقرر کر لی کہ صرف دل کی پشّانی اور اقرار اُلوہیّت سے عبادت کی حقیقت مکمل نہیں ہو سکتی تھی جیسا کہ فطرتِ سلیمہ بشریہ کا تقاضا ہے۔

---

[1] آخرت کا خیال اکثر عربوں میں موجود تھا۔ البتہ ایک روشن خیال طبقہ تھا جو ان چیزوں کو اساطیر الاوّلین (پہلوں کی داستانیں) إفکِ قدیم (پرانا جھوٹ) کہہ کر لغو قرار دینے کی کوشش کرتا تھا۔ ۱۲

خود فرماتے ہیں:

وَقَدْ صَلَّيْتُ يَا ابْنَ أَخِيْ قَبْلَ أَنْ أَلْقَىٰ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ سِنِيْنَ۔

میرے بھتیجے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے سے تین سال پہلے سے نمازیں پڑھتا تھا۔

(طبقات وصحیح مسلم)

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

راوی نے پوچھا کہ آپ کس کی نماز پڑھتے تھے کہ عرب کی شرک وضلالت کو دیکھتے ہوئے اس کو نماز کا نام سن کر تعجب ہوا آپ نے فرمایا کہ للّٰہ (خدا کے لئے) اس نے پوچھا کہ تو کس طرف رُخ کرکے پڑھتے۔ جواب فرمایا:

حَيْثُ يُوَجِّهُنِيَ اللّٰهُ۔ — جدھر اللہ تعالیٰ جھکا دیتے ہیں۔

اور اخیر میں تو گزشتہ اعمال و افعال کی فراوانی دیکھ دیکھ کر اس درجہ آپ پر خشیت مسلط ہوئی کہ تعجب ہوتا ہے۔ خود بیان کرتے ہیں:

أُصَلِّيْ عِشَاءً حَتّٰى — رات کی نماز کے لئے کھڑا ہوتا اور کھڑا رہتا
إِذَا كَانَ آخِرُ السَّحَرِ — یہانتک کہ جب پچھلی رات بھی ختم ہونے کے قریب
أَلْقِيْتُ كَأَنِّيْ خِفَاءٌ — ہوتی تو اپنے آپ کو زمین پر ڈال دیتا اور اس طرح
حَتّٰى تَعْلُوَ نِي الشَّمْسُ — پڑا رہتا کہ گویا کپڑا پڑا ہوا ہے یہانتک کہ مجھ پر
(صحیح مسلم، طبقات) — دھوپ پڑنے لگتی تھی (تو اٹھتا)

الغرض چند ہی دنوں میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا رنگ ہی دوسرا ہوگیا راہ زنی کے تمام ولولے تاخت و تاراج کے جوش و خروش یکایک ٹھنڈے پڑ گئے صبح و شام اپنی فرضی عبادت میں محو رہتے۔

ترکِ وطن ایسا خیال ہوتا ہے کہ بنی غفار پر آپ کی اس اجنبی حالت کا خاص اثر ہوا ہوگا۔ اولاً تو ان باتوں کو وہ جنون و دیوانگی سمجھتے ہوں گے ثانیًا ان کو اپنے قوم کے ایک بڑے بہادر کی کمی کا خیال بہت گراں گزرا ہوگا۔ پھر ساتھ ہی اس کے جیسا نفسِ انسانی کی سلیم فطرت کا اقتضا ہے کہ وہ اندھے کو کنوئیں کی طرف جاتا دیکھ کر چلا اٹھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ اس میں گر نہ جائے اسی طرح یقینًا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن چیزوں کو اپنے روحانی احساس کے ذریعہ سے زہر سمجھ چکے تھے، ان سے اپنی قوم اور برادری کے لوگوں کو روکتے ہوں گے، خصوصًا جب کہ ان کو اپنی قوتِ فیصلہ کی طاقت پر اس درجہ اعتماد بڑھا ہوا تھا کہ وہ ایامِ اسلام میں صحابہؓ کی رایوں کی بھی پروا نہیں کرتے تھے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے تو غالبًا اس روک ٹوک کا قصہ بڑھتے بڑھتے زیادہ طول کھینچا، تفصیل تو نہ مل سکی گمان ہے کہ نزاعِ اشہرِ احرام ہی کے متعلق ہوئی اور معاملہ زیادہ نازک ہوا، بنی غفار آمادۂ اذیت و پیکار ہوئے، حتیٰ کہ مجبور ہو کر آپنے اس وقت ترکِ وطن کو مناسب سمجھا۔ فرماتے ہیں:

خرجنا من قومنا غفـار	اپنی قوم غفار سے میں نکل کھڑا ہوا،
وکانوا یحلون الشہر الحرام	یہ لوگ حرام مہینوں کو حلال سمجھتے تھے

(طبقات وصحیح مسلم)

÷ ÷

اپنی جلاوطنی کے قصّے کے درمیان میں اشہرِ حرم (حرام مہینوں) کی تحلیل کو لے آنا بتاتا ہے کہ آپ کی زیادہ برافروختگی اسی مسئلہ پر تھی۔

بہرکیف، آپ اپنی والدۂ محترمہ اور بھائی انیسؓ کو ساتھ لے کر گھر سے اٹھ

کھڑے ہوئے، وہی بنی غفار جس کو کسی زمانہ میں ابوذرؓ کے دست و بازو پر فخر و ناز تھا، آہ! کس درجہ عبرتناک نظارہ ہے کہ حق و صداقت کی حمایت کی بدولت وہ اپنے آبائی وطن کو چھوڑتا ہے، سچائی کو لوگوں نے اس کا دشمن بنا دیا ہے۔ اس کی تمام آبرو و عزت محض اس لئے دلوں سے نکل چکی ہے کہ وہ ان کے فسق و فجور پر راضی نہ تھا۔

تاریخ کی زبان گو ساکت ہے، اور نہیں بتاتی کہ قوم کے اس معزز انسان پر اس کی اصلاح کے بعد اس پر کیا کچھ گزری، لیکن تجربہ اور مشاہدہ تصویر تکلم ہے، وہ آئے دن اس کا مرقع ہمارے سامنے اس وقت پیش کرتا ہے، جب مہذب ڈاکوؤں، متحد غارت گروں کی جماعت کا کوئی آدمی رشوت و خیانت، فریب و دغابازی کی عادتوں سے توبہ کر کے محض اپنی حلال تنخواہ پر اوقات گزارنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے تو یکایک جیسے اس وقت اس کی تمام تربیدار مغزیاں انتہائی خر دماغیوں کے لفظوں سے تعبیر کی جاتی ہے اگر اس سے پہلے وہ اپنے کنبہ کا سب سے زیادہ ہوش مند جوان بخت نوجوان تھا تو اس کے بعد قبیلے کا وہ ایک سخت اور منحوس آدمی بن جاتا ہے۔

اس سے پہلے قوم کا ایک ایک آدمی اس کی عنایت پر ورانہ تبسموں کا آرزومند رہتا تھا، لیکن اب لوگوں کو اس کی چیخ و پکار کی پرواہ بھی نہیں۔

وَفِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ۔

جب کہ حق و راستی کے یہ لازمی نتائج ہیں تو اگر کہیں کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے ساتھ بھی ان کی قوم کا یہی برتاؤ ہوا تو کوئی تعجب نہیں۔ غفار کے خیموں پر جو

ان کے بچپنے کی کھیلنے کی جگہ تھی۔ ان صحراؤں پر جوان کی شہسواری کے بازی گاہ تھے، آہ! کہ ان سب پر نگاہِ حسرت والم ڈالتے ہوئے وہ رخصت ہوئے ہونگے مگر امید نہیں پڑتی کہ غفاریوں کا کوئی آدمی ان کو روکنے کے لئے اٹھا ہوگا۔ اور غفاری کیا روکتے کہ وہ تو جاہل تھے، آج جب کہ تعلیم یافتوں کا یہی حال ہے تو بجاہلاں چہ رسد۔

ماموں کے ہاں آنا بہرکیف آپ کی جلا وطنی کی علت خواہ کچھ ہی ہو۔ آپ نے غفار کو چھوڑا، قریب کے رشتہ داروں میں آپکے ایک مہربان ماموں کسی دوسرے قبیلے میں اقامت گزیں تھے وہیں کا ارادہ کیا۔

قطع منازل کے بعد اس قبیلے میں پہنچے۔ آپ کے ماموں نے جو اپنی بچھڑی ہوئی بہن (یعنی آپ کی والدہ) کو اس غربت کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا جی بھر آیا، بھانجوں کی تسلی کی، خیمے خالی کر دیئے، غرض ایک ماموں سے جس ہمدردی کی امید ہو سکتی تھی۔ وہاں آپ کو میسر آئی۔ نہایت چین و آرام کے ساتھ رہنے لگے۔ یہاں ان کو اپنے مشغلے سے کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ تجربوں نے آپ کو سکوت و صبر کی تعلیم بھی دی۔ کوئی نیا فتنہ بھی نہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دن اسی طرح آرام و سکون کے ساتھ گزرے۔

ماموں کے یہاں سے روانگی ماموں نے بھی آپ کی عنصرِ طیب اور جوہرِ ذاتی کو پہچان لیا۔ روز بروز ان کی توجہ زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ماموں کے ہاں آنے جانے والے لوگوں کے دل میں رشک کا مادہ پیدا ہوا۔ ان دونوں بھائیوں نے بہت سے حاشیہ نشینوں کی

جگہ لے لی، ان کے گھر کے کام جواب تک دوسروں کے ساتھ متعلق تھے ان لوگوں کے سپرد ہو گئے۔ الغرض مختلف اسباب و علل نے اس مادّہ کو تیز کیا۔ یہاں تک کہ رشک نے حسد کی صورت اختیار کی۔ مخالفوں کی ایک جماعت تیار ہوئی، جو ان کے خلاف ہر امکانی کوشش کرنے کی فکر میں مصروف رہتی تھی۔

آپ کے ماموں کبھی کبھی سیر و شکار کی غرض سے گھر سے باہر بھی جایا کرتے تھے مخالفوں نے اس کو غنیمت سمجھا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ سبھوں نے مل کر آ کر کہا۔

"جناب آپ جب باہر جاتے ہیں، اور گھر میں کوئی نہیں رہتا تو آپ کے بھانجے (انیس) گھر والوں پر افسری کرتے ہیں اور ہر قسم کی ابتری پھیلا دیتے ہیں، ان کی وجہ سے لوگوں کی ناک میں دم ہے۔"

آپ کے ماموں کی عنایات گو آپ کے بھائی پر بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھیں اور شاید اسی وجہ سے شکایات کا ان پر کوئی غیر معمولی اثر پیدا بھی نہ ہوا، تاہم وہ آدمی تھے، ایک دن موقع پا کر انھوں نے پوچھ لیا کہ بھائی، انیس ایسا کیوں کرتا ہے؟

اس قدر جملے کا سننا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری آپے سے باہر ہو گئے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ فطری طور پر ایک کڑے مزاج کے آدمی تھے۔ دوسرے غربت و مسافرت میں انسان کا دل بہت چھوٹا ہو جاتا ہے وہ کسی کی معمولی بات کی تاب نہیں لا سکتا۔ پھر واقعہ بھی سرے سے غلط، اور ممکن ہے کہ انجام کا بھی خیال آیا ہو، کہ اگر اسی طرح ہم لوگوں کی شکایتیں ہونے لگیں، تو آج تو معاملہ زیادہ خطرناک نہیں، ہو سکتا ہے کہ آئندہ ہمیں اپنے ماموں کے گھر سے بے عزت ہو کر

نکلنا پڑے۔

بس پھر کیا تھا، حسرت بھرے لہجے میں آپ نے اپنے ماموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"آپ نے تمام گزشتہ احسانات کی نہروں کو گدلا کر دیا۔
بس اس کے بعد ہمارا اجتماع آپکے ساتھ ممکن نہیں۔"

اور اپنے اونٹوں پر لد کر وہاں سے بھی بلا کسی توقف کے روانہ ہوئے ــــ بے چارے ماموں کو کیا خبر دی تھی محض اتنی سی بات پوچھنے سے ابوذر کا یہ حال ہوگا تو وہ ہکّا بکّا ہو کر رہ گئے، روکتے تھے، تسلیاں دیتے تھے، مگر یہاں کون سنتا ہے وہ وقت بھی نہایت دردناک تھا، جبکہ ان لوگوں کے اونٹ اس قبیلے سے نکل رہے تھے۔ خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

فتغطیٰ خالنا بثوبہ	ماموں اپنے منہ کو کپڑے ڈھانک کر
وجعل یبکی[1]	روتے جاتے تھے۔

الغرض رائی پہاڑ بنی اور آپ کو یہاں سے بھی رخصت ہونا پڑا۔

مکّہ کی طرف رُخ کرنا پڑا

مکّہ معظمہ عرب کا مشہور شہر تھا۔ آپنے اپنے اونٹوں کو اسی طرف پھیر دیا۔ خاص شہر میں تو جانا آپ نے مناسب نہ سمجھا، لیکن اسی عرصہ میں آپ کے بھائی اُنیس جو ایک زبردست شاعر تھے کسی دوسرے شاعر سے مقابلہ ہو گیا۔ انیس اپنے اشعار کی تعریف کرتے تھے اور

---

[1] یہ تمام واقعات صحیح مسلم و بخاری سے ماخوذ ہیں۔

اسے بلند پایہ بتاتے تھے، اور دوسرا اپنی شاعری کی مدح سرائی کرتا اور اُسے بڑھاتا
الغرض اسی نوک جھونک میں شرط کی نوبت آگئی۔ بات اس پر طے ہوئی کہ جو ہارے
وہ اپنے ریوڑ جیتنے والے کو نذر کرے۔ ایک کاہن حکم مقرر ہوا۔ دونوں اس کے
پاس حاضر ہوئے۔ خوش قسمتی سے حضرت انیس کے موافق فیصلہ دیا۔ ان کے
اشعار کو خصم کے شعروں سے بہتر بتایا۔ حضرت انیس خوش خوش اپنی ریوڑ کیساتھ
اس کی ریوڑ بھی قیام گاہ پر ہنکا لائے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو بھی اس
تائیدِ غیبی پر بہت مسرت ہوئی۔

دیارِ نبوی تک باریابی کے اسباب یہ وہ زمانہ تھا کہ رأفت سماویہ ملّتِ ابراہیمیہ کے
اتمام واحیاء کے لئے خاتم النبیین صلی اللہ
علیہ وسلم کی حقیقت قدسیہ کو انتخاب کر چکی تھی۔ حرا کا واقعہ نزول وحی بعثت کے حوادث
گزر چکے تھے۔ اسلام کی تبلیغ کی آواز عشیرۃ الاقربین سے گزر کر اُم القریٰ میں گونج
چکی تھی گھر گھر اس کے نئے دینِ ظاہر ملّتِ عالیہ کا چرچا تھا، کفّاروں میں اسلام پرستی
کے جذبات موجزن تھے۔ بچّوں سے بوڑھوں تک اپنے خود تراشیدہ معبودوں کی
تائیدوں میں سرشار ہو رہا تھا۔

راہ گیروں اور مکہ میں آکر بازار کرنے والے اعراب ومسافرین کے کان کھڑے
ہو چکے تھے۔ مکّہ سے جو باہر جاتا وہ اس کی خبر کو اپنے شناسا ملنے جُلنے والے کو
تعجّب سے سناتا تھا۔

اس عرصہ میں مکّہ سے کوئی مسافر حضرت ابوذر غفاریؓ کے پڑاؤ کی طرف
گزرا۔ آرام لینے کے لئے کچھ دیر شاید وہاں ٹھہرا ہوگا۔ بات میں بات پیدا ہوئی۔

اور کیوں ہے، مگر تھا اور اس کے ہیجان سے بے کل تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں، مگر یہاں تو سعادت آپ کی پیشانی چوم چکی تھی، آپ کے رُشد و ہدایت کا سامان آسمان پر کیا گیا تھا۔ انیسؓ نے یکایک آپ سے آکر کہا، بھائی جان! میں ذرا مکہ جاؤں گا۔ آپ ذرا ونٹوں کی نگہداشت فرمایئے گا۔ ان کے چارہ پانی کا خیال رکھیں ان شاء اللہ تعالیٰ جلد واپس آتا ہوں[1]۔

ایک آواز تھی یا بجلی جس کی رو تمام قویٰ و حواس پر آناً فاناً دوڑ گئی خدا جانے حضرت ابوذرؓ نے کیا دیکھا۔ سامنے سے کیا چیز تڑپ کر نکل گئی، مگر فوراً کچھ سوچ کر آپ یکایک تھم گئے اور خود ساختہ طمانیت و سکون طاری کرتے ہوئے۔ (بجنسہٖ اس طرح جس طرح ایک بدنام و ناکام کوچۂ محبوب سے روکا گیا ہو۔ اور آنے جانے والوں سے کسی کی خیریت و صلاح اجنبی انداز سے ساتھ پوچھتا ہے۔) انیسؓ کو آپ نے اجازت دی اور اصل مقصد کو، جس بے غرضانہ اسلوب، مگر دل دوز لفظوں میں ادا کیا ہے، میں اسے بجنسہٖ بخاری سے نقل کرتا ہوں۔

ارکب الی ھٰذا الوادی	اس وادی (مکہ) کو جاؤ (کوئی مضائقہ نہیں)
فاعلم لی علم ھٰذا الرجل	مگر ہاں (میرے لئے یہ کرتے آنا کہ جو اپنے کو
الذی یزعم انہ نبیٌّ	نبی خیال کرتا ہے اور کہتا ہے آسمان سے

[1] بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر نے حضرت انیس کو جانے کا حکم دیا تھا لیکن مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انھوں نے سبقت کی، میں نے دونوں میں تطبیق دی ہے کہ یہ اجازت کے لئے امر تھا نہ کہ ابتدائی۔ ۱۲

معلوم نہیں حضرت ابوذرؓ کے خیالات سے اسے قبل سے واقفیت تھی یا اسی وقت ان کی گفت گو سے اسے معلوم ہوا کہ "آپ بھی ایک ہی خدا کے ماننے والوں میں سے ہیں"، بہرکیف، اس نے کہا، ابوذر! یہ جو تم جو کچھ کہتے ہو، مکّہ کا ایک شخص بجنسہٖ اسی کا مدعی ہے، دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کلام نازل فرمایا اور اسے اپنا پیغمبر بنایا ہے، خدا کا حکم ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی معبود سے کوئی واسطہ نہ رکھو[1]۔۔۔
اس نے تو رواروی میں یہ خبر سنائی، لیکن ادھر حضرت ابوذرؓ کا دل بلّیوں اُچھل پڑا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گوہر مقصود کی جگمگاہٹ نے ان کے دل و دماغ کو روشن کر دیا۔ سمجھ لیا کہ وقت قریب ہے، دل کی بے چینی کی دوا آسمان سے اُتر چکی ہے۔ سنتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئے، اور نہایت اضطراب کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرنے لگے:۔

کہ اس کا اصلی وطن کہاں ہے، کس قبیلے کا آدمی ہے، مکّہ کے کس خاندان سے اسے تعلق ہے؟ ۔۔۔۔۔۔ راہ گیر نے سارا نشان و پتہ بتایا، کہ وہ مکّہ کا باشندہ ہے، اور قبیلۂ قریش کے مُمتاز خاندان کا آدمی ہے[2]۔

اس قدر پوچھ کر آپ چپ ہو گئے، دل میں ایک انجذابی کیفیت تھی جو رہ رہ کر ان کو مکّہ کی طرف گھسیٹ کر لے جانا چاہتی تھی، لیکن کچھ اپنے بت پرست بھائی کا خیال، کچھ مشرکہ ماں کی خاطر سے دل میں اس انگارے کو دبائے بیٹھے رہے جو۔۔۔ تبلیغ کے بعد ہر ایسے دل میں خود بخود بلا کسی دلیل و حجّت کے پیدا ہوتا ہے، عقیدت والفت کا ایک دریا تھا جو روحِ ابوذری میں جوش زن تھا، نہیں سمجھتے تھے کہ کیا ہے،

[1] طبقات صـ۱۶۳ ج ۴ ۱۲۔ [2] طبقات اور صحیح مسلم ۱۲۔

يَاْتِيْهِ الْخَبَرُ مِنَ السَّمَاءِ — اس کے پاس خبریں آتی ہیں۔ ذرا اس کی
وَاسْمَعْهُ مِنْ قَوْلِهٖ ثُمَّ — حالت دریافت کرنا، سننا کہ وہ کیا کہتا ہے
ائْتِنِيْ (بخاری) — یہ کرکے، پھر آنا۔

ادھر حضرت انیس تو مکہ کو روانہ ہوئے، ادھر ایک شعلۂ انتظار تھا، جو ان کے رخصت ہوتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے دل و جگر میں بھڑکنے لگا۔ رہ رہ کر اس کی شدت بڑھ رہی تھی حتیٰ کہ اس سختی کو آپ اسلام کے بعد بھی نہ بھولے تھے۔ اپنی داستان سناتے ہوئے فرما دیتے:۔

فَرَاثَ عَلَیَّ[۱] — انیس نے بہت دیر لگائی۔

بہرکیف دیر ہوئی تھی یا نہیں، لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر یہ وقت بہت گراں گزرا اور شاید اس سے زیادہ شکایت تراخی کی انھوں نے کبھی نہیں کی۔

حضرت انیسؓ واپس ہوئے، ایک معمولی انداز کے ساتھ ملے۔ اور پھر پوچھا کہ اتنی دیر تم نے کہاں لگائی" حضرت انیس نے فرمایا کہ" اسی آدمی سے ملنے میں دیر لگی۔ اس کا طریقہ کار وہی ہے جو آپ کا ہے۔ اور وہ اچھی عادتوں کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ وہ اپنے کو رسولؐ گمان کرتا ہے۔

حضرت ابوذر فرمایا کہ اچھا مکہ والے ان کو کیا کہتے ہیں۔ کیسا آدمی سمجھتے ہیں۔ انیسؓ نے کہا اُسے کوئی شاعر کہتا ہے اور کوئی کاہن کہتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس موقع پر غایتِ نشاط و مسرت کے ساتھ اپنے اسلام کی حالت بیان کرتے ہوئے خاص اس مقام پر فرمایا کرتے تھے:۔ انیس حالانکہ ایک اچھا شاعر تھا، مگر اس نے یہی کہا کہ صاحب!

---

[۱] طبقات ج ۴ ص ۲۲۰

میں نے ایک اچھے شعر کے اوزان پر ان کے شعروں کو خوب جانچا
شعر تو وہ یقیناً نہیں ہیں، رہا کاہن، تو میں سیکڑوں سے ملا ہوں،
......،ان کی باتیں سنی ہیں، لیکن اس شخص کے کلام کو ان کی
گفت گو سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ قسم خدا کی وہ سب کے سب جھوٹے
ہیں، یقیناً یہ سچا ہے"۔[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا حال ہوا، پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ ناصح جب دل گرفتوں کا ہم خیال وہم دم ہو جاتا ہے تو اس وقت اطمینان کی جو خنکی دلوں میں محسوس ہوتی ہے۔ حضرت ابوذر کے سینہ کو اسی سے معمور سمجھنا چاہئے حضرت انیسؓ کے خیال کے اس انقلاب نے ان کے تمام غم غلط کر دیئے۔ اور ایک مسرورانہ لہجہ میں فرمایا:

مَا شَفَيْتَنِي مِمَّا أَرَدْتُ (بخاری)
(ہم مرض کا علاج چاہتے ہیں، تم اس کی شفا نہیں لائے اور کہاں لا سکتے تھے)

اس کے بعد کہا کہ انیسؓ!

اَكْفِنِي حَتّٰى اَذْهَبَ فَانْظُرَ (طبقات)
(تم میری جگہ اب گھر رہو، ذرا میں جاتا ہوں تاکہ میں بھی خود دیکھوں کہ وہ کون ہے کہ ساری تڑپ و بے چینی اسی ایک نظر کے لئے تھی اور آہ کہ اس وقت تک کتنوں کو ہے)

⁂ ⁂ ⁂

سفر مکہ مکرمہ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کیا کرتے تھے، لیکن شیراز کے بلبل نے صدیوں کے بعد

[1] صحاح طبقات تمام واقعات۔

اس اشتیاق و بے چینی کی تصویر ان لفظوں میں کھینچی ہے جس کا نقل کرنا اس موقع پر ناموزوں نہیں؛

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم — راحتِ جاں طلبم وز پئے جاناں بروم
چوں صبا با دلِ بیمار و تن بے طاقت — بہواداریِ آں سروِ خراماں بروم
دلم از وحشتِ زندانِ سکندر[1] بگرفت — رخت بر بندم و تا ملکِ سلیماں بروم
در رہِ او چو قلم گر بسرم باید رفت — با دلِ درد کش و دیدۂ گریاں بروم
نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آمد روزے — تا درِ میکدہ شاداں و غزل خواں بروم
بہواداریِ او ذرہ صفت رقص کناں — تا لبِ چشمۂ خورشیدِ درخشاں بروم

آخر وہ ذرہ۔ اُڑا، جو غفار کے خانوادہ میں چشمۂ خورشید سے ملنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ محمد بن اسماعیل بخاری اور محمد بن سعد کاتب الواقدی راوی ہیں کہ اس کی پیٹھ پر ایک چھوٹی سی سیاہ مشک پانی سے بھری لدی ہوئی تھی اور زنبیل میں تھوڑے سے مقل[2] کے دانے تھے، تلاشِ محبوب میں تنِ تنہا حجاز کے ریگستانوں

[1] سکندر کی اولوالعزمیاں سراسر جاہ و مال کے دیوتاؤں کے تابع اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت فقط اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تھی حافظ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں ۱۲

[2] مقل کے ایک عام معنی گوگل کے ہیں جو دھونی اور بخورات میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے اور معنی بھی ہیں، صاحبِ تاج العروس لکھتے ہیں کہ روم کے پھل کو بھی کہتے ہیں جو کھجوروں کے مشابہ ہوتا ہے۔ غیاث نے بیروں کے مشابہ بتایا ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲

٭ ٭ ٭

طے کرتے ہوئے وہاں جارہے تھے، جہاں جانے کے بعد پھر انھیں کسی جگہ جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جذبۂ شوق نے منزل کو..... آسان کیا، اور سامنے مکہ کا سواد نظر آیا نہیں بتایا جاسکتا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پہلے بھی کسی افق سے امید کی صبح کو اس طرح طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تھا یا نہیں۔ آج وہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو نہیں ہیں، لیکن جگر سوختوں سے اب بھی پوچھ سکتے ہو جنکے سامنے قبۂ خضرا اپنے مسکراتے ہوئے ناصیۂ جمال سے یکایک ظاہر ہوتا ہے اور شغدف والے اس پر تڑپ تڑپ کر کبھی اپنی جانوں کو کھو بیٹھتے ہیں

فالحیٰوۃ حیاتھم والممات مماتھم

اس ستی کو مجھ سے نہ پوچھو، کہ میری ایسی قسمت کہاں ہے۔ وہ بتا سکتے ہیں جو "رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ"[1] کہ گل بیزیوں سے وارفتہ ہو کر

واعظ مکن نصیحت ماں شوریدگاں کہ ما
باخاک کوئے دوست بفردوس ننگریم

چلّاتے ہیں۔ آہ! کہ جن کی آخری تمنا ؎

زاں پیشتر کہ عمر گراں مایہ بگذرد
بگذار تا مقابل روئے بگذاریم!

کے علاوہ کبھی بھی کچھ نہیں رہی۔ فَطُوْبٰی لَھُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ وَیَرْزُقَنِی اللّٰہُ الاقتداءبھم۔

بہرکیف شیفتہ نادیدہ کا مکہ میں داخلہ ہوا، اس دیار میں آپ کی کسی سے

---

[1] جامع صغیر جلد ۲ ص ۱۳۵

جان پہچان کب تھی، سامنے حرم نظر آیا، سیدھے اسی طرف تشریف لے گئے اور ایک بے کس مسافر کی طرح خدا جانے جیسے کسی کے انتظار میں ہیں، کہیں کونے میں پڑے ہے۔

مکہ مکرمہ میں تیس دن حرم میں قریش عموماً اکثر ہی آتے جاتے رہتے تھے اور ہو سکتا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت جلد کسی سے دریافت کر کے اُس آستانہ تک پہنچ جاتے جسکے لئے قبیلۂ غفار سے کھینچکر وادیٔ بطحا اور وہاں سے حرم تک لائے گئے۔۔۔۔ لیکن یہ طبعِ غیور کو گوارہ نہ تھا کہ احسان کو جس سے زیادہ گراں بار احسان ممکن نہیں، بت پرستوں کے وسیلے سے سر پر رکھا جائے۔ بخاری میں ہے:

فالتمس النبیؐ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وکرہ — نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ڈھونڈنا۔ مگر اسکو ناپسند کرتے ہوئے کہ کسی سے پوچھیں

آپ کو یقین تھا کہ وہ مجھ سے چھپ نہیں سکتے، نگاہیں تاڑیں گی، دل پہچانے گا۔ اسی تلاش میں دن گزرتا جاتا تھا، لیکن کوئی پرواہ نہیں، حتیٰ کہ مقل کے دانے جو کچھ ساتھ تھے وہ بھی ان کے پاس نہیں رہے۔ زنبیل خالی تھی، گرہ میں دھیلا نگ نہیں تھا، بھوک نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو بے چین کر دیا تھا، بہت ممکن تھا کہ استقلال کے پاؤں اس وقت ڈگمگا جاتے آپ کی آن ٹوٹ جاتی، لیکن یہ سرمستی ایسی نہ تھی جو بھوک کی ترشی سے اُتر سکتی آپ نہایت اطمینان کے ساتھ اٹھتے اور زمزم کی چند چُلو سے تھوڑی دیر کیلیے اسے بجھا دیتے۔ پھر اگر ستاتی تو اِس سے زیادہ جواب آپکی طرف سے ۳۰ دن کے

عرصہ میں کبھی نہیں دیا گیا کہ ڈول کھینچا، اور چند گھونٹ حلق کے پار کرلیا اور بس!

غرض کہ اسی طرح جب صبح کا آفتاب طلوع ہوتا تھا تو حضرت ابوذر کی نگاہیں اس کی روشنی میں صرف آفتاب کو تلاش کرتی تھیں جس سے روح کی رات دن ہوتی تھی۔ رات ہوتی تو اس کی اندھیریوں میں آپ کی نظریں اس تارے کو ڈھونڈتیں جس نے سینکڑوں بھٹکے ہوئے قافلوں کو سیدھی پگڈنڈی پر ہمیشہ کے لیے لگا دیا۔ انتظار تھا جو ختم نہیں ہوتا تھا۔ فراق تھا جس کی جگر سوزی آناً فاناً بڑھ رہی تھی۔

قریش کا ظالمانہ برتاؤ

ایک دن اسی درمیان میں آپ کو خیال گزرا کہ جس کو ڈھونڈتا ہوں اگر وہ نہیں ملتا تو چلو! اس کے کسی غلام سے پتہ پوچھیں۔ غیرت کا تقاضا اگر ہے تو صرف کفاروں تک محدود ہے لیکن اگر ان کی جماعت کا کوئی آدمی مل جائے تو اس سے پوچھنے میں کیا مضائقہ ہے۔

غرض یہ سوچ کر تاک میں رہے۔ اتفاق سے ایک مجہول الحال آدمی حرم میں داخل ہوا، چوں کہ فلاکت زدہ تھا، سراغنۂ قریش نے شاید اس کی طرف سے بے التفاتی برتی ہوگی۔

آپ نے قیاس کیا کہ اس جماعت کا جو حال بیان کیا جاتا ہے، وہ اس شخص کے بہت مطابق ہے، اس سے دریافت کرنا چاہیئے۔

قریب پہونچے اور پوچھا۔

اَیْنَ الَّذِیْ تَدْعُوْنَ الصَّابِیْ	جس کو تم لوگ صابی کہتے ہو وہ کہاں رہتا ہے۔

لیکن یہ دراصل آپ کو دھوکا ہوا، وہ واقعہ میں کفّار کے گروہ کا آدمی تھا۔

اس وحشت ناک سوال کے سنتے ہی اس کا ماتھا ٹھنکا، بلکہ یقین ہو گیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کا آدمی ہے، جواب تو کیا دیتا، یکایک اس نے چیخ ماری؛

هٰذا صابی — ارے یہ صابی ہے۔

قریش اس وقت مسلمانوں کی طرف سے بھرے ہوئے تھے ہر شخص گوش بر آواز رہتا تھا اس کی آواز بجلی بنکر کافروں میں کوندی، پھر جو حشر ہوا، وہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی سنو!

فَمَالَ عَلَیَّ اَھْلُ الْوَادِیْ بِکُلِّ	ڈھیلے، ہڈیاں اٹھائے مکہ والے
مَدَرَةٍ وَعَظْمٍ فَخَرَرْتُ	مجھ پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر
مَغْشِیًّا عَلَیَّ ۔	مارا کہ میں چکرا کر گر پڑا۔

(طبقات وصحیح مسلم)

محبت کی امتحان گاہ میں غفار کا ایک رئیس و بہادر سردار بصد مظلومی و بے کسی، خدا کے سامنے حرم میں بت پوجنے والوں کی لاتوں سے روندا جا رہا تھا لیکن عشق کے فرشتے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کو تھامے ہوئے تھے..... ہوش آیا، خدا جانے کس وقت آیا، اور کتنے مظالم کے بعد آیا۔ مگر جب آیا تو آشفتہ سری بحال تھی، بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ اور زیادہ تیز ہو گئی تھی —— خود فرماتے تھے اور نہایت شگفتگی سے فریاد کرتے۔

فارتفعت حین ارتفعت	پھر میں اٹھا جس وقت اٹھا، گویا
کانّی نُصُبٌ اَحْمَرُ فاتیت	میں ایک سُرخ لاٹ تھا۔ (یعنی خون میں

زمزم فشربت من مائھا	نہائے ہوئے تھے، اسی وقت
وغسلت عنی الدماء	زمزم پر آیا پانی پیا، اور خون دھویا۔

(طبقات وغیرہ)

بدن سے خون نکل رہا ہے۔ کپڑے لہو میں لت پت ہوگئے ہیں لیکن نہ کسی کی شکایت ہے اور نہ گلہ، نہایت اطمینان سے زم زم پر آئے، پانی پیا خون دھویا۔ ارادہ کی مضبوطی میں کوئی تغیر نہیں کہ وہاں خیال ہی اور تھا ۔

حافظ چورہ بکنگرہ کاخ وصل نیست

باخاک آستانۂ ایں دربسر ..... بریم!

رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وضع داری کا ایک وہ زمانہ تھا کہ ماموں کی معمولی سی شکایت پر آپ نے ہمیشہ کے لئے ان سے قطع تعلق کرلیا۔ اور آج محبت کی کرشمہ سازیوں کا نظارہ اسی آسمان کے نیچے کیجئے! کہ پتھر مارے جاتے ہیں، ہڈیاں پڑتی ہیں، لہو بہتا ہے دھکّے دیئے جاتے ہیں، لیکن پاؤں نہیں ہلتا، حرم کے دروازے سے — "پندارم توئی" کی امید میں نگاہ انتظار نہیں ہٹتی احساس تک نہیں کیا ہوا اور کیا گزری

أُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ	یہی لوگ ہیں جن کو "غرفہ" کے ساتھ
بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا	(جنت میں) داخل کیا جائے گا۔ اور
تَحِيَّةً وَّسَلَامًا۔	اس میں پائیں گے سلام و تحیت۔

کہا جاتا ہے کہ "مجاہدات" کی کوئی اصل نہیں۔ حتیٰ کہ میں نے بعضوں سے یہ بھی سنا ہے کہ صلاۃ خمسہ میں خشوع اور خضوع کی ضرورت نہیں۔ اور دلیل بیان

کی جاتی ہے کہ صحابہ سے یہ باتیں منقول نہیں ہیں ـــ حالاں کہ اوّلاً یہ سراسر غلط ہے آثار و حدیث سے ہم قطع نظر بھی کرلیں تو قرآن کی یہ آیتیں؛

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ	جو سر ٹیکے اور کھڑے کھڑے رات
سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔	گزارتے ہیں، اپنے پروردگار کے لئے

کس کا حق ہے، اگر صحابہؓ اس کے مصداق نہیں تھے تو اور کون دعویٰ کرسکتا ہے یا مثلاً:

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ۔ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝

اس سے پہلے یہ اپنے اعمال کو خوبصورت بنانے والے تھے بہت تھوڑی رات سویا کرتے تھے اور پچھلی رات کو اٹھ کر گناہوں کی بخشش طلب کرتے تھے ان کے مالوں میں مانگنے والے اور محروم کے حق تھے۔

والذین جاھدوا فینا کے مجاہدہ کی یہ تفصیل الٰہی نہیں اور کیا ہے۔ صحیح ہے کہ بلا خضوع کے نماز کا بوجھ گردن سے ٹل جاتا ہے۔ لیکن کس نے کہا کہ آخرت کی مصیبت بھی ایسی نمازوں سے ٹلنے والی ہے۔ حالاں کہ عذاب دینے والا تو فرماتا ہے:۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ	کام یاب ہوئے وہ مومنین جو اپنی
هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ	نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔

تو کیا اس افلاح کو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نہیں ڈھونڈتے تھے۔؟

اور بالفرض اگر مان بھی لیا جائے (حالاں کہ نہیں مانا جاسکتا) کہ صحابہؓ میں مجاہدات کا رواج نہ تھا تو حق یہ ہے کہ جن سربازوں نے اسلام سے پہلے ہی اپنے کو اس طرح منایا تھا، جس کی ادنیٰ نظیر یہی واقعہ ہے اور ابھی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کی سوانح میں اور آنے والے ہیں ان کے لئے کسی دوسرے "مجاہدہ" "ریاضت" کی شاید ضرورت بھی نہ تھی۔

لیکن جو ابتدائے اسلام سے اس وقت تک "سبیل اللہ" کے کسی شعبہ میں آزمایا نہیں گیا، کیوں کر ان دعوؤں کو زبان تک لا سکتا ہے جس کو میں سُنتا ہوں اور ان کی عقل پر عقیدۃً اور اپنی عقل پر عملاً ہنستا ہوں۔

بہر حال تیس دن کی اس طویل مدت میں علاوہ اس واقعہ کے اور کیا کیا حوادث وقوع پذیر ہوئے۔ مجھے اس کی تفصیل زیادہ نہ معلوم ہوسکی اور جو کچھ معلوم ہیں بھی، ان میں ظاہراً سخت تعارض ہے حتیٰ کہ علامہ قرطبیؒ کو مجبور ہو کر لکھنا پڑا

وفی التطبیق بین الروایتین تکلف شدید۔	دونوں روایتوں میں تطبیق دینے میں سخت تکلف ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کے مشورہ سے یا روایات کے تتبع سے جس نتیجہ تک پہنچا ہوں اس کی ترتیب درج ذیل ہے۔

پہلا واقعہ یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حادثہ کے بعد بھی حرم محترم کو نہیں چھوڑا جو دھن تھی وہ بندھی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اُنہی دنوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ادھر گزر ہوا۔ اگرچہ آپکی عمر بہت تھوڑی تھی، لیکن قیمت کی بہتری میں اس وقت میں کیا کلام ہوسکتا ہے

لہ فتح الباری جز ۵ ۲ مطبوعہ انصاری ص ۴۴

آپ نے دیکھا کہ ایک طرف شکستہ حال مسافر پڑا ہوا ہے۔ آپ کو رحم آیا۔ قریب آکر دریافت کیا۔

مِمَّن الرَّجُلُ	کہاں کے آدمی ہو۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا۔

رجل من بنی غفار	قبیلۂ غفار سے ہوں۔

فرمایا کہ۔

قُمْ اِلیٰ مَنْزِلِكَ	اپنی فرودگاہ کو تشریف لے چلیں

مقصود یہ تھا کہ میرے گھر چلیں، مسجد میں تکلیف ہوگی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوں کہ دھوکہ اٹھا چکے تھے۔ اظہارِ مدعا تو مناسب نہ جانا۔ اٹھے اور چپ چاپ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ گھر تک پہونچے۔ خود فرماتے ہیں کہ نہ انھوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے کچھ کہا۔

صبح ہوئی اور سیدھے حرم پہونچے۔ اپنی زنبیل اور مشک رکھ کر مکّہ کے کوچہ و بازار میں شام تک مصروفِ جستجو رہے۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ مغرب کے بعد پھر حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف لائے دیکھا کہ مسافر ابتک موجود ہے۔

آپ نے پھر فرمایا:

اَمَا آنَ لِلرَّجُلِ	کیا آدمی کے لیے اپنی فرودگاہ تک
اَنْ یَعْرِفَ مَنْزِلَهٗ ؟	جانے کا وقت نہیں آیا۔

آپ اٹھے اور بجنسہٖ اسی خاموشی کے ساتھ آج کی رات بھی گزر گئی۔ ایک

دوسرے کو کیا معلوم کہ دونوں ہی ایک ہی فتراک کے نخچیر ہیں۔

حضرت ابوذر پھر صبح ہوتے ہی حرم میں آدھمکے اور دن بھر گھومتے رہے، لیکن قسمت چلا رہی تھی کہ "جا! اور وہیں حرم میں بیٹھ دیکھ! کہ کیا ہوتا ہے؟"

دُوسرا واقعہ قیاس کا مقتضٰی ہے کہ آج کسی خاص ضرورت نے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حرم یا دولتِ بیدار کی طرف آنیکی فرصت نہ دی، حضرت ابوذرؓ نے انتظار کیا ہوگا، لیکن جب مایوس ہوئے تو وہیں کہیں پڑ رہے، سونے کے ارادہ سے لیٹے، مگر نیند نہیں آتی تھی۔ بے چین آج زیادہ تھے، حتیٰ کہ جب رات بھیگ گئی اور شہر میں سناٹا ہوگیا، لوگ پڑکر سو رہے، اس وقت رحمتِ سماویہ جھکی، اور حضرت ابوذرؓ نے ٹوٹے ہوئے دل کو جو واقع میں نہیں ٹوٹا تھا، اس نے اپنے آغوش میں اٹھالیا۔ مسافروں کے ہنگامہ آہ و بکا بچوں کی نالہ و زاری نے جس میتدار کو غفار کی سڑک پر بیدار کرکے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کی تمام ترغارت گریوں کو کاروانوں سے پھیر کر خود ان کی آسائش و لذائذ، ارمان و خواہشات کے قافلوں کی طرف متوجہ کردیا تھا۔ خدا جانے کتنی دراز مدت کے بعد اس کی خبر آج نکلتی ہے، اس رات کے منظر کو خود آپ ہی کی زبانی سُننا چاہیئے:

فرماتے ہیں:

فَبَيْنَمَا اَهْلُ مَكَّةَ	چاندنی رات خوب روشن تھی، اہلِ مکہ
فِي لَيْلَةٍ قَمْرَاءَ اَضْحِيَانَ	اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ یکایک
اِذْ ضَرَبَ اللّٰهُ	خداوند تعالیٰ کی زبردست قدرت نے

اصمحتھم فمایطوفُ بالبیتِ احدٌ منھم غیرَ اِمراتین۔
(صحیح مسلم وطبقات)

تھپکیاں دیکر انھیں سلادیا۔ (سناٹا ساہوگیا تھا) حتیٰ کہ بیت اللہ کے طواف کرنے والوں میں بھی اسوقت دوعورتوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

یہ عورتیں کعبہ کے گرد گھوم گھوم کر" اساف[1] و نائلہ "سے مانگ رہی تھیں خدا جانے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیا سوجھی کہ جس کونے میں پڑے ہوئے تھے وہیں سے آواز دی۔

---

[1] "اساف ونائلہ، جاہلیت کے دو مشہور بُت ہیں، مشہور تھا کہ یہ دونوں دراصل پہلے آدمی تھے اساف مرد تھا، اور نائلہ عورت تھی، دونوں قبیلۂ جرہم سے تعلق رکھتے تھے، یمن انکا وطن تھا۔ کہاجاتا ہے کہ اساف نائلہ پر فریفتہ ہوگیا۔ نائلہ نے بھی جب اس کے حسن وجمال کو دیکھا تو دل دے بیٹھی۔ صورت حال دونوں کو یمن میں ملنے سے مانع تھیں۔ آخر مکہ معظمہ میں حج کے حیلہ سے آئے، جاہل عربوں کا عہد تھا کہ یکایک دونوں کو حرم میں تنہائی مل گئی اور وہیں امر شنیع کے مرتکب ہوئے۔ اس پر خدا کا غضب نازل ہوا اور دونوں پتھر ہو گئے۔ عبرت کے لئے لوگوں نے ایک کو صفا پہاڑ پر اور دوسرے کو مروہ پہاڑ پر رکھدیا۔ عمرو بن لحی خزاعی نے جب عرب میں بت پرستی پھیلائی تو خاص کر ان دونوں کو اس نے بہت اہمیت دی۔ قصی نے اپنے زمانہ میں ان کو پہاڑ سے اُتار کر ایک کو کعبہ سے لگادیا اور دوسرے کو چاہِ زمزم پر نصب کردیا تھا۔ زمانے سے عرب جاہل انکی پرستش کرتے تھے۔ آخر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ان سے خدا کے گھر کو پاک کیا۔ ممکن ہے عربوں کے اس بیہودہ فسانہ پر تعجب ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بُت پرستوں کے ہاں یہ باتیں عام ہوتی ہیں۔

اَنْكِحَا اَحَدَهُمَا الْاٰخَرَ   ایک کا دوسرے سے نکاح کردو

مقصد یہ تھا کہ ارے بتوں سے کیا مانگتی ہو۔ بزعم تم لوگوں کے وہ خود فراق میں تڑپ رہے ہیں۔ ہاں اگر دونوں کو بیاہ دو گے تو ممکن ہے کہ تمھیں سنیں۔

اس طنز آمیز آواز کو خاص کعبہ سے سنتے ہی یکایک وہ ضرور رکیں، چونکیں۔ مگر "یا اساف یا نائلہ" کی آواز بلند ہوتی رہی، آخر جب طواف کرتے کرتے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب پہنچیں فوراً اپنی آنکھیں بند کرلیں اور انھیں سویا ہوا دیکھ کر اور کچھ اس ڈر سے بھی کہ مرد ہے اگر چھیڑتی ہوں تو ممکن ہے کہ بُری طرح خبر لے۔ صرف گالیاں دیتیں اور لوکان ھٰھُنَا مِن انفارنا احدٌ" کاش میری جماعت کا کوئی آدمی یہاں ہوتا تو اس کی خبر لیتا۔

بڑبڑاتی ہوئی روانہ ہوگئیں، دونوں آپس میں یہی ذکر کرتی ہوئیں ایک پہاڑی پر چڑھیں اس سے اتر رہی تھیں کہ سامنے سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرم کی طرف تشریف لا رہے تھے یہ عورتیں کسی کو نہیں پہچانتی تھیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشِ اقدس تک ان کی گفتگو کے چند سخت الفاظ پہنچ چکے تھے، آپ نے بڑھ کر دریافت فرمایا:

مَالَكُمَا ؟   تم دونوں کا کیا حال ہے (کیا واقعہ ہوا)

عورتیں:۔۔۔۔ کیا کہوں، صابی[1] کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان پڑا ہوا ہے

---

[1] کفار قریش مسلمانوں کو اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہا کرتے تھے۔ یعنی دینِ حق سے پھرا ہوا۔

آپ نے فرمایا پھر اس نے کیا کہا۔

عورتیں:۔۔۔ کیا کہا، زبان تک لانے کی بات نہیں ہے۔ بس بری بات بک رہا ہے ۔۔۔ اس گفتگو کے بعد وہ تو گھر کی طرف روانہ ہوئیں، آپ اور یہ دونوں کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

حضرت ابوذرؓ کی نیند عورتوں کی اس ظرافت سے اور بھی اچٹ گئی تھی ۔۔۔ چپ چاپ ایک گوشے میں منتظر تھے کہ دیکھیں یہ عورتیں کیا گل کھلاتی ہیں، کہ یکایک سامنے سے دو جسم متحرک نظر آئے۔ حضرت ابوذرؓ کی نگاہ جم گئی۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کب تک جمی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف بھی کیا۔ حجر اسود کو بوسے بھی دیئے۔ نمازیں بھی پڑھیں۔ لیکن کچھ خبر نہیں کہ اس وقت ابوذرؓ کی ششدر و حیران نگاہوں نے کیا دیکھا، دماغ نے کیا سمجھا، البتہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو نیاز و عقیدت کا ایک پیکرِ مجسّم سامنے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا:

السلامُ علیکَ یارسول اللہ!

سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلّم نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ فرماکر پوچھا۔

مِمَّنْ اَنْتَ — تم کس قبیلے کے آدمی ہو؟

حضرت ابوذرؓ:

مِنْ غِفَارٍ — یعنی قبیلۂ غفار سے ہوں۔

یہ سنتے ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے سر پکڑ لیا:

فَاَھْوٰی بِیَدِہٖ اِلٰی جَبْھَتِہٖ — آپ نے اپنے ہاتھ کو پیشانی کی طرف جھکایا۔

رائیں مختلف ہیں کہ آپؐ نے ایسا کیوں کیا۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس انتساب کو ناپسند فرمایا، جیسا کہ خود حضرت ابوذرؓ سے اس کی شرح میں مروی ہے:

قُلْتُ فِي نَفْسِي كَرِهَ اِنْ اِنْتَمَيْتُ اِلَى غِفَارٍ۔ (طبقات)

میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید غفار کی طرف میرے انتساب کو آپؐ نے ناپسند فرمایا۔

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ یہ سنکر متعجب ہوئے اور یہ فعل محض اظہارِ تعجب کے لیے تھا طبقات کی ایک دوسری روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے:

فَعَجِبَ النبیُ صلی اللہُ علیہ وسلم انہم یقطعونَ الطریقَ فجعلَ النبیُ صلی اللہ علیہ وسلم یرفعُ بصرہٗ فیہ ویصوبہ تعجُّبًا۔ من ذالك لما كانَ یعلمُ منھمؐ[1] (ص۱۶۳ ج۴ طبقات)

آپؐ کو تعجب ہوا کہ غفار تو رہزنی کرتے ہیں ان میں ایسا شخص کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے آپؐ نے پھر متعجب ہو کر اپنی نگاہ ان پر ڈالی اور کبھی جھک کر دیکھتے کیوں کہ غفاریوں کے حالات سے واقف تھے۔

÷ ÷ ÷
÷ ÷

[1] طبقات میں ہے کہ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ خدا جس کو چاہے ہدایت کرے۔

اس صورت میں جملہ

فَاهْوىٰ بِيَدِهٖ اِلىٰ جَبْهَتِهٖ دست مبارک کو اپنی پیشانی پر رکھ کر سے یہ مقصود ہوگا کہ آپ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بغور ان کو دیکھنے لگے، واللہ اعلم۔

ایک صاحبِ دل کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نظرِ اوّل ہی میں آپ کو پہچان لیا تھا۔ لیکن حسرت کی نگاہ سے دیکھا کہ ابھی مراحلِ سلوک میں اس غفاری فرہاد کو شبِ ہجر کا ایک ایک سکون شب کاٹنا اور بھی باقی ہے، واللہ اعلم۔

اور کچھ یوں ہی ہوا بھی کہ اس رات میں "اسلام" و "ایمان" کا کوئی ذکر نہیں آیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصدًا یہ معاملہ ٹال دیا گیا۔ طبقات میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کہ دستِ مبارک پر کلمہ پڑھیں۔ لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، خود ان کا بیان ہے:

فذهبت اخذ بيده	میں چلا کہ حضور کا دستِ مبارک پکڑ لوں
فقدعني صاحبه	لیکن ان کے ساتھی نے مجھے روک لیا
وكان اعلم به مني	وہ بہ نسبت میرے حضور کی طبیعت سے
(ص۱۶۴ ج۴)	زیادہ واقف تھے۔

بادی النظر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوں کہ ابھی تک ان سے مطمئن نہ تھے، اس لئے ایسا کیا، لیکن کسی اور پہلو کو پیشِ نظر رکھ کر اگر یہ کہہ دیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے ایسا کیا گیا کہ طئی منازل کی ایک سیڑھی یہ بھی تھی تو کیا مضائقہ ہے۔

⁂

حضرت ابوبکرؓ کی ضیافت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ تم یہاں کب سے ہو؟، آپ نے فرمایا تقریبًا تیس راتیں یہاں گزرگئیں حضرت صدیق نے فرمایا کہ تمھیں کھلاتا کون تھا؟۔

چوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے یہاں صرف سونے کے لئے کچھ رات گزرتے ہوئے دو دن سے جایا کرتے تھے اور آپس میں کسی قسم کی گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے یہاں کھانیکی مہمان داری نہیں ہوئی تھی، بہرکیف! حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ ایک زمانے سے میری گزر صرف زمزم کے پانی پر ہے اور اس پانی کی ایک عجیب خاصیت بیان کی، فرماتے ہیں:۔

فَسَمَنْتُ حَتّٰی تَکَسَّرَتْ	میں موٹا ہوگیا، حتیٰ کہ پیٹ کی شکن
عُکَنُ بَطْنِیْ فَمَا وَجَدْتُ	لٹک گئی۔ ذرا زیادہ فربہی میں ایسا ہو
عَلٰی کَبِدِیْ سَخْفَةَ	جاتا ہے حتیٰ کہ اپنے جگر پر میں بھوک
جُوْعٍ۔ (مسلم)	کے ضعف کا کوئی اثر نہیں پاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا:۔

اِنَّهَا مُبَارَكَةٌ اِنَّهَا	اسمیں برکت دی گئی ہے اور
طَعَامُ طُعْمٍ	سیر کرنے والی غذا ہے۔

لے صاحب ذل کاخیال ہے کہ یہ کیوں نہیں پوچھا کہ یہاں کس لئے آئے؟ یہ کہا کہ کب سے ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد کو اس وقت درمیان میں لانا ہی منظور نہیں۔

ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

حضرت صدیق رضؓ نے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "مجھے اجازت دیجئے کہ میں آج کی رات انھیں اپنا مہمان بناؤں"! آپ نے اجازت دیدی۔ حضرت صدیق رضؓ ان کو ساتھ لیکر گھر گھر لائے، دروازہ کھولا، اور طائف کی کشمشیں ان کے حوالے کیں۔ حضرت ابوذر رضؓ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا کھانا تھا جو حضرت ابوبکر رضؓ کے گھر میں مجھے نصیب[1] ہوا۔

اسلام لانا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صبح ہوتے ہی پھر حرم میں آگئے، جب رات ہوئی تو آج حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ لیکر گھر پہنچے، مگر یہ اسی طرح ساکت و صامت ہیں۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا، اور فرمایا:

مَا اَلَّذِیْ	آخر تم کو کیا چیز یہاں لائی
اِقْدَمَکَ	کس ضرورت سے آئے ہو؟

گزشتہ رات باوجود اور سب کچھ ہو جانے کے چوں کہ ان کے لئے کچھ نہ ہوا تھا، اس لئے دل بھرا ہوا تھا پیمانۂ صبر چھلک پڑا، بولے کہ اگر عہد کرتے ہو تو بتاؤں"۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے عہد کیا۔ آپ نے کہا "اگر تم میری راہ نمائی کرسکو[2]" جب کہوں گا۔ انھوں نے حتی الوسع اس کا بھی وعدہ کیا۔ آپ نے فرمایا، کہ "میں نے سنا تھا کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں یہ سنکر میں نے اپنے بھائی کو دریافت حال کے لئے بھیجا۔ لیکن اس نے کچھ....

---

[1] صحیح مسلم ۱۲ [2] از بخاری ۱۲

تشفی بخش خبر مجھے نہیں سنائی۔ آخر میں خود اس شخص سے ملنے آیا ہوں۔[1]
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باچھیں کھل گئیں، خدا جانے کیا کیا کہا۔[2]
تاہم بخاری میں اس قدر موجود ہے:

قال فانہ حق وھو رسول	یہ بالکل سچ ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں
اللہ فاذا اصبحت فاتبعنی	جب صبح ہو تو تم میرے ساتھ چلو۔ راستے
فانی ان رأیت شیئا اخاف	میں اگر ایسا واقعہ نظر آئے (مثلاً کوئی
علیک قمت کانی اریق	کافر سامنے آئے) کہ جس میں مجھے خطرہ معلوم
الماء فان مضیت فاتبعنی	ہو تو بیٹھ جاؤں گا۔ گویا پیشاب کر رہا
حتی تدخل مدخل۔	ہوں (تم چلنے چلنا) پھر جدھر میں
(بخاری)	جاؤں چلے جانا، حتیٰ کہ جہاں داخل
	ہو جاؤں تم بھی وہاں آجانا۔

⁂ ⁂ ⁂

صبح ہوئی دونوں ساتھ چلے، آگے آگے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پیچھے پیچھے ان کے حضرت ابوذرؓ اس آستانے کی طرف جا رہے تھے۔ جس کی غلامی کاتبِ ازل نے ان کی پیشانی میں لکھ دی تھی۔ راستہ میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، حتیٰ کہ وہ دروازہ سامنے آگیا حضرت علی اور ان کے ساتھ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں داخل ہو گئے۔[3] ایک چبوترے پر سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم اپنے طلعتِ قدوسی پر ایک چادر ڈالے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے اشارہ کیا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص۱۶۲ ج ۴ [2] طبقات کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے رشتۂ عقیدت کو ظاہر کیا۔ [3] طبقات ۱۲۔

آپ بے تابانہ دوڑ پڑے اور سلام عرض کیا، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی، فرمایا وعلیکم السلام، حضرت ابوذرؓ رات کے واقعہ سے متاثر ہو چکے تھے، جانتے تھے کہ کہیں معاملہ پھر نہ ٹل جائے۔ قبل اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ فرمائیں آپ نے فرمایا کہ "آپؐ جو کچھ کہتے ہیں، وہ مجھے سنائیے"! آپؐ نے فرمایا، میں نہیں کہتا خدا فرماتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تو وہی سُنائیے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ مجید کی ایک سورۃ (نام پر اطلاع نہ ہوسکی) تلاوت فرمائی۔ ادھر سورۃ ختم ہوئی اور ادھر حضرت ابوذرؓ نے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کے ساتھ ایک چیخ ماری اور جو کچھ ہونا تھا ہو گیا، نہ دلیل تھی اور نہ حجت صرف حضرت ابوذرؓ کی مشکوٰۃِ سینہ میں ایک قندیل تھی جس کے اندر ایک سماوی روغن بھرا ہوا تھا، قریب تھا کہ بھبک اٹھے، آخر بھڑکا کہ پھر کبھی نہ بجھا، اور اس طرح مسلمانوں کے اندر جن کی تعداد کرۂ زمین پر کُل چار تھی، ایک کا اور اضافہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے اسلام کی . . . . . خوشخبری دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو غور کیا تو پہچان کر فرمایا۔

اَلَیْسَ ضَیْفِیْ بِالْاَمْسِ ۔ کیا وہ شخص نہیں ہے جو کل میرے مہمان تھے۔

اور جھک کر فرمایا: اِنْطَلِقْ مَعِیَ :۔ میرے ساتھ چلیے۔!

لہ طبقات ۱۲

ایک زمانہ گزر چکا تھا کہ حضرت ابوذرؓ نے اپنا گھر چھوڑا تھا، کپڑے بالکل میلے ہو گئے تھے، اس وقت حضرت صدیق نے دو کپڑے رنگین وخوبصورت نکال کر دیئے۔ آپؓ نے غسل کیا کپڑے بدلے اور جب تک مکہ معظمہ میں آپ کا قیام رہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر مقیم رہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں قیام کا زمانہ

آثار وروایات میں اس کی تصریح تو نہیں ملی کہ آپ کب تک حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت خانہ پر فروکش رہے، لیکن قرائن اور بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عموماً اس عرصہ میں مکہ والوں سے آپ کی ملاقات ہو چکی تھی۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ قبیلۂ غفار کے کوئی ممتاز آدمی ہیں، مثلاً ایک واقعہ بھی ہوا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حالاں کہ اس زمانہ میں مشرف بہ اسلام نہ تھے) آپ کو جانتے تھے کفار کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا:

اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اِنَّہٗ مِنْ غِفَارٍ طَرِیْقُ تُجَّارِکُمْ اِلَی الشَّامِ	کیا تم نہیں جانتے ہو کہ وہ قبیلۂ غفار کا آدمی ہے جو تمہارے شام کے تاجروں کا راستہ ہے۔

بہرکیف اگر تمام قریش سے آپ کی شناسائی نہیں ہوئی تھی تو خاندانِ عبدالمطلب میں لوگ آپ کو ضرور جاننے لگے تھے۔ آپ کی زیادہ شہرت کی وجہ میرے نزدیک دراصل وہ واقعہ ہے جس کے راوی صرف محمد بن سعد صاحب طبقات ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے غفاری ہونے کا علم حضرت عباس رضی اللہ عنہ

کو بھی اسی کے بعد ہوا ہو، وہ راوی ہیں کہ جن ایام میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مہمان تھے، اسی زمانہ میں آپ سیر کرتے ہوئے حرم میں آئے، دیکھا کہ پھر ایک عورت طواف کر رہی ہے اور گھوم گھوم کر نہایت فصاحت و بلاغت اور عاجزی و خاکساری کے ساتھ دعائیں کر رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دعا ابھی تک مبہم تھی، اس کا پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس کو مخاطب کر کے مانگ رہی ہے۔ حرم چوں کہ بیت اللہ تھا، حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا ہوگا کہ خدا کو پکار رہی ہے، اور اس پر خوش ہوئے ہوں گے لیکن جب ختم کر چکی تو اس کے بعد پھر وہی۔ یَا اَسَافُ یَا نَائِلَۃُ (اے اساف اے نائلہ) چیخنے لگی۔ آپ سنتے ہی جھلا اُٹھے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے

اَنْکِحِیْ اَحَدَھُمَا صَاحِبَہٗ ایک کا دوسرے سے نکاح کر دے

نکل پڑا۔ چوں کہ دن کا وقت تھا، عورت بلا خوف شور مچاتی ہوئی آپ کے ساتھ لپٹ پڑی اور چلانا شروع کیا۔

اَنْتَ صَابِیٌٔ توصابی ہے۔

کفار قریش کی ایک جماعت وہیں موجود تھی اَنْتَ صَابِیٌٔ کی آواز سنتے ہی حسب عادت دوڑ پڑے، اور جس طرح پہلے مارا تھا، مارنا شروع کیا۔ اتفاق سے بنی بکر کے قبیلہ میں اس کی خبر پہنچی کہ قریش ایک بے کس مسافر کو بری طرح مار رہے ہیں۔ چوں کہ ان دونوں قبیلوں میں ایک زمانے سے رقیبانہ تعلق تھا، فوراً کچھ جوان آئے اور حرم پہنچے اور نہایت حقارت کے ساتھ قریش کو ڈانٹا کر واہ! تمہارے قبیلے میں جو صابی ہیں ان کو تو نہیں مارتے۔ ایک بے چارہ مسافر آ گیا، بس سارا

نزلہ اسی کی طرف رجوع ہو گیا، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ کہتے ہوئے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ اور ان ظالموں سے نجات دلائی۔ آپ اسی صورت و حالت کے ساتھ دربار نبوی صلے اللہ علیٰ صاحبہا میں حاضر ہوئے اور فرمایا:

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَمَّا قُرَیْشٌ	یارسول اللہ! قریش سے جبتک
فَلَا اَدَعُهُمْ حَتّٰی اَثَارَ	بدلہ نہیں لوں گا، انہیں نہیں
مِنْهُمْ ضَرَبُوْنِیْ۔	چھوڑ سکتا۔ انھوں نے مجھے مارا ہے۔

اسلام کی دعوت پر سرفرازی

مکہ معظمہ میں اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد پانچ تھی، جن میں پانچویں حضرت ابو ذر رضؓ تھے، ایسے ضعف کے وقت میں آپ کی بہادرانہ شجاعت، مردانہ ہمت کو دیکھکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے۔ اُسی وقت خیال گزرا کہ جس عام "تبلیغ" کا ارادہ کیا گیا ہے، اس کا وقت آپہنچا ہے، اسی کے بعد سب سے پہلے پہل اسلام میں جس عمامہ پر اس جلیل عہدہ کا طرہ نصب کیا گیا ــ وہ حضرت غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر بندھا ہوا تھا۔

آپ نے فرمایا:-

اِنِّیْ وُجِّهْتُ اِلٰی اَرْضٍ ذَاتِ	میں کھجوروں والی زمین کی طرف متوجہ
نَخْلٍ وَلَا اَحْسَبُهَا اِلَّا یَثْرِبَ	کیا گیا ہوں اور میں اسے مدینہ کے علاوہ
فَهَلْ اَنْتَ مُبَلِّغٌ عَنِّیْ قَوْمَكَ	اور کسی شہر کو خیال نہیں کرتا، تو کیا تم اپنی
عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّنْفَعَهُمْ بِكَ	قوم کو میری طرف سے تبلیغ کر سکتے ہو

وَيَأْجُرَكَ فِيهِمْ۔ ممکن ہو انھیں خدا تم سے نفع پہنچائے۔
اور تمھیں اجر دے۔

٭ ٭ ٭

جس آستانے پہ اتنی تگ و دو کے بعد پہنچے تھے ۔ انصاف کر سکتے ہو کہ اس کی دوری ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا ہو سکتی تھی لیکن کیا کرتے جب کہ :

فکر خود ور ائے خود در عالم رندی نیست
کفر ہست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

آخر یہی ہوا کہ آپ دعوت و تبلیغ کے لئے آمادہ ہو گئے، لیکن پھر بھی دبی ہوئی زبان سے فرمایا:۔

إِنِّيْ مُنْصَرِفٌ إِلَىٰ أَهْلِيْ (اچھا) میں اپنے گھر جاتا ہوں (مگر)
وَنَاظِرٌ مَتَىٰ يُؤْمَرُ بِالْقِتَالِ انتظار کرتا رہوں گا کہ جنگ کا کب
فَأَلْحَقُ بِكَ حکم دیا جاتا ہے۔ بس اسی وقت آپ سے ملوں گا۔

٭ ٭ ٭

مقصود یہ تھا کہ فراق کی گھڑیوں کو کسی خاص زمانہ تک محدود کر دیا جائے، کم از کم اسی امید پر جیوں گا ۔ اس کے بعد یکایک آپ کو خیال گزرا کہ کہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کی ایذاؤں کو دیکھ کر میرے لئے یہ حکم تو صادر نہیں فرمایا کہ اس ترکیب سے مکہ معظمہ چھوڑ دوں گا ۔ معًا اس خیال کے آتے ہی تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

فَإِنِّيْ أَرَىٰ قَوْمَكَ اور آپ کی قوم جوں کہ متفق ہو کر آپکے درپے
عَلَيْكَ جَمِيْعًا ایذا ہے اس لئے بھی میرا جانا ناہی مناسب ہے۔

اور واقعہ بھی یہی تھا کہ جہاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے روانہ کرنے سے تبلیغ وارشاد کا کام لینا منظور تھا، ساتھ ہی یہ بھی مدنظر تھا کہ ابوذر ایک سخت آدمی ہیں، خواہ مخواہ اسی طرح دشمنانِ اسلام کے ہاتھ ان کو تکلیف اٹھانا پڑے گی، جس کی نظیریں گزر چکی تھیں ان کے اس سوال کو سن کر ارشاد فرمایا:۔

اَصَبْتَ	سچ کہتے ہیں (یعنی مجھے یہ فائدہ بھی مقصود ہے)

یہ سنتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگ حمیت پھڑک اُٹھی غیرت کا خون پیشانی پر جوش مارنے لگا۔ کفارِ قریش پر آگ ہو گئے۔ جوش و خروش میں اس وقت آپ کے یہ الفاظ تھے:۔

لَا اَرْجِعُ حَتّٰی اُصْرِخَ بِالْاِسْلَامِ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	میں نہیں جا سکتا جب تک (کلمہ) اسلام کے ساتھ مسجد حرام میں جا کر نہ چیخوں۔

حتیٰ کہ غیظ میں آکر قسم کھا بیٹھے، بخاری کا جملہ ہے۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَاُصْرِخَنَّ بِهَا بَیْنَ ظَهْرَانِیْهِمْ	قسم اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ان کافروں کے درمیاں میں جا کر چیخوں گا۔

یہ کہتے ہوئے سیدھے مسجد حرام میں داخل ہوئے، قریش کا مجمع موجود تھا ٹھیک ان کے درمیان گھس کر نہایت اُونچی آواز میں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔	میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

∴ ∴

کا نعرہ بلند کیا۔ قریش میں اس کے سننے کی کب تاب تھی۔ صبوت صبوت کہتے ہوئے ان پر جھک پڑے، اور جی کھول کر مارنا شروع کیا، مگر ان کی زبان پر بدستور کلمۂ شہادت جاری تھا۔ لات، گھونسے، ڈھیلے، لکڑیاں پڑرہی تھیں، لیکن کوئی پرواہ نہیں کہ یہاں صرف دکھانا ہی یہی تھا کہ قریشیوں کے ان زنانہ حرکات سے ابوذرؓ کا دل کبھی نہیں کانپ سکتا۔ ہر بُنِ مو کی زبانِ حال سے آواز آرہی تھی ؎

کُن رہا تیرے کہ دارم، ذوقِ پیکانے دگر

خدا جانے اس مار پیٹ کا سلسلہ کب تک جاری رہا، مگر حُسنِ اتفاق سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر گزر ہوا، آپ نے قریش کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"ارے کیا کرتے ہو، انھیں پہچانتے ہو؟ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے جدھر سے تمھارے شامی تاجروں کا راستہ ہے۔"

چوں کہ حضرت ابن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ کے مقتدر لوگوں میں سے تھے مکّہ والے آپ کا خیال کرتے تھے۔ لوگوں نے ہاتھ کھینچ لیا حضرت ابوذر غفاریؓ اٹھے خوش تھے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شک کا جواب میں نے عملاً دے دیا ہے، مگر پھر بھی دل کی تسلّی نہیں ہوئی تھی۔ بخاری میں ہے کہ دوسرے دن اسی طرح حرم پہنچے اور کلمۂ شہادت کو بآوازِ بلند پڑھنا شروع کیا۔ قریش اسوقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیال سے باز آگئے تھے۔ آج پھر وہی معاملہ دیکھکر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا۔ حضرت عباسؓ کو خدشہ لگا ہوا تھا، آئے تو کل ہی کا واقعہ پیش نظر تھا۔ پھر آپ نے لوگوں کو سمجھا کر فرمایا کہ :

"کیا تمہارا ارادہ ہے کہ قریش کے قافلے لوٹ لئے جائیں؟ آخر کیا کرتے ہو؟
بدستورِ سابق آپ کو دیکھ کر کفّار رک گئے۔
بہرکیف جب حضرت ابوذرؓ نے اچھی طرح عملی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہنِ اقدس پر ثابت کردیا کہ ابوذر اس لئے نہیں جاتا کہ وہ مکّہ والوں کے مظالم سے ڈر گیا، بلکہ صرف اس لئے اس آستانے کو چھوڑتا ہے، جس کا چھوڑنا اسے کسی طرح منظور نہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل، اور خدا کے دین کی اشاعت ونشر کے اہم فریضہ کی انجام دہی اس کا مطمحِ نظر ہے۔
اس کے بعد آپ مکہ سے بصد حسرت ویاس رخصت ہوئے۔

مکّہ معظمہ سے روانگی اور دعوت کی ابتداء

میں نے بہت تلاش کیا کہ دیارِ پاک سے الگ ہونے والے مسافر کا حال اس وقت کیا تھا، لیکن آثار وکتب سے مایوسانہ جواب ملا۔ بچھڑنے والے اپنے دل پر ہاتھ رکھیں، اور جو کچھ آج سے تیرہ سو برس پیشتر مکہ کی کسی وادی میں ایک گھائل دل پر گزر رہا تھا، اس کا اندازہ کریں چلے جاتے تھے اور تبلیغ کا خیال ساتھ تھا، جس مقام پر آپکے بھائی اور والدہ فروکش تھیں پہنچے حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتظر تھے، نہایت گرم جوشی سے ملے اور پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟
بولے اَسْلَمْتُ وَصَدَّقْتُ میں مسلمان ہوگیا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں بھی وہ نور مکّہ ہی میں چمک چکا تھا، دبائے بیٹھے تھے، یہ سنتے ہی فرمایا:

مَالِيْ رَغْبَةٌ عَنْ دِيْنِكَ — مجھے آپ کے دین کے انکار نہیں

فَاِنِّيْ قَدْ اَسْلَمْتُ — اور میں بھی مسلمان ہوا (محمد صلی اللہ

وَصَدَّقْتُ۔ — علیہ وسلم کی تصدیق کی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تبلیغی مہم کی یہ پہلی کامیابی تھی جو کچھ مسرت ہوئی ہوگی، وہ ان کا دل جانتا تھا، یا وہ جانتے تھے، جنھوں نے کبھی کسی بھٹکے ہوئے گمراہ انسان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کی ہو۔ اور کامیاب ہوئے ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے حضرت انیس کے سامنے اس عہدہ کا بھی ذکر کیا جو آپ کو دربارِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے عطا کیا گیا تھا، اور انکو بھی اس میں شریک کیا، فرماتے ہیں کہ اس کے بعد:

فَاَتَيْنَا اُمَّنَا۔ — ہم دونوں بھائی مل کر والدہ کے پاس آئے

اور اسلام پیش کیا۔ آپ کی والدہ نے سعادت مند بیٹوں کو مسلمان دیکھکر فرمایا، مجھے بھی اس دین سے کوئی نفرت نہیں (دیکھو) میں مسلمان ہوئی اور — جن چیزوں کی تم دونوں نے تصدیق کی، میں بھی اس کی تصدیق کرتی ہوں۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ — اپنے قبیلہ کے قریب لوگوں کو خدا سے ڈراؤ۔

کا پہلا فرض گویا پورا ہوگیا۔ دونوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟ روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قریش مجھ پر ظلم کر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں انھوں نے مجھے بہت ستایا ہے، مجھے عقلاً اور قانوناً حق پہنچتا ہے کہ ان سے انتقام لوں، اور ان شاء اللہ اسی انتقام

کے ذریعے سے مقصد میں کامیابی ہوگی۔

غسفان کی گھاٹیوں میں جاکر چھپنا

رائے اس پر مستقر ہوگئی۔ والدہ اور بھائی کے ساتھ آپ غسفان کی ایک گھاٹی[1] (جو تجارِ قریش کے راستے میں واقع تھی) میں جاکر ٹھہر گئے اور معمول کرلیا کہ اس راہ سے جو قافلہ قریش کا گزرے گا اسے لوٹ لیتے، جب ان پر قبضہ ہوجاتا تو اس کے بعد فرماتے، اگر تم خدا تعالیٰ کی یکتائی پر گواہی دیتے ہو، اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی تصدیق کرتے ہو، تو سارا مال ابھی واپس کر دیا جائے گا اور اگر انکار کروگے تو یا درکھو ایک حبّہ کے مستحق نہیں ہوسکتے۔

قریش آپس میں مشورہ کرتے کہ وہی ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو مکہ میں عام طور سے مشہور ہے اور اس پر وہاں بہت ظلم ہوئے ہیں) ایسا کہتا ہے کیا کرنا چاہیے۔

بعض ایمان لے آتے تھے اور بعض کفر ہی پر قائم رہتے، جو مسلمان ہوجاتا تھا، آپ اس کا سارا مال دانہ دانہ، رتی رتی، کرکے واپس فرما دیتے جو انکار کرتا اُسے بہ یک بینی دو دو گوش روانہ فرما دیتے۔

جو لوگ یہاں مسلمان ہوتے تھے، مکہ معظمہ میں جاکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے اور اس طرح روز بروز اسلام کی تعداد میں ایک اور اضافہ کی صورت نکل آئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جس کام پر مامور کئے گئے تھے، خدا کے فضل سے اس میں غیر متوقع کامیابی ہورہی تھی، اس واقعہ میں سب سے زیادہ غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اگر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لانیوالے

---

[1] طبقات، صحیح مسلم، میں اس گھاٹی کا نام ثنیۃ غزال بتایا گیا ہے۔

محض مال کی طمع سے سلمان ہوتے تھے تو ان کے لئے بالکل ممکن تھا کہ مکہ میں جا کر پھر جاتے لیکن تاریخ اس کی ایک نظیر بھی پیش نہیں کرتی، جو مسلمان ہوتا تھا بس ہمیشہ کے لئے ہوتا تھا کہ حق وصداقت کی روشنی دلوں میں خواہ کسی وسیلے سے بھی ہو، جب صحیح طور پر اتر جاتی ہے تو دیکھا گیا ہے کہ پھر وہ بہت مشکل سے بجھتی ہے۔

الغرض عسفان کی گھاٹیوں میں آپ ایک زمانہ تک نہایت دلیری کیساتھ اسلام کی اس اہم خدمت کو انجام دیتے رہے۔ باوجودیکہ یہ کُل تین آدمی تھے ـــ اور اس میں تیسری آپ کی والدہ، ایک بوڑھی عورت تھیں لیکن منقول نہیں کہ آپ کو کبھی کفارِ مکہ سے عسفان میں کوئی گزند پہنچا کہ منصبِ تبلیغ پر پہنچنے والوں کے لئے ـــ

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ — خدا تمہیں آدمیوں کی شرارت سے محفوظ رکھے گا۔

کا وعدۂ یزدانی ہے۔

وطن کی طرف مراجعت ٹھیک ٹھیک میں نہیں بتا سکتا کہ حضرت ابوذرؓ عسفان میں کب تک رہے ـــ لیکن مسند احمد بن حنبل کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے غفار میں پہنچ چکے تھے[1]۔

عجیب بات ہے کہ جن غفاریوں نے آپ کو محض خام توحید کی بنا پر اس درجہ رنج پہنچایا تھا کہ آپ ترکِ وطن پر مجبور ہوئے تھے، آج حق وصداقت کی کشش و رعب کو دیکھو کہ بغیر کسی مادی کدوکاوش کے بعض تو پہلی ہی تبلیغ میں ایمان لے آئے اور بعضوں نے کہا کہ حضرت، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ منورہ تشریف

---

[1] مسند امام احمد ص۱۷۵ ج ۵۔ ۱۲

لے آئیں گے تو ہم لوگ اس وقت پورے مسلمان[1] ہو جائیں گے۔

قریب ہی آپ کے حلیف اسلم کا قبیلہ آباد تھا، وہاں بھی آپ پہنچے، اور جو کچھ اپنے دل میں لگا کر لائے تھے، دوسروں میں بھی اسی کو لگانا شروع کر دیا، چوں کہ روز بروز کامیابی ہو رہی تھی اس لئے آپ کو اُس سے ازحد دلچسپی ہو گئی۔ اخیر میں ان کا شغف اس درجہ ترقی پذیر ہوا کہ آپ اس وعدہ کو بھی پورا نہ کر سکے، جسے چلتے وقت سرورِ کائنات صلی اللہ وسلم سے کیا تھا۔ یعنی میں دیکھتا رہوں گا کہ آپ کو جنگ کی اجازت کب ملتی ہے؟ جب مل جائے گی فوراً حضورؐ سے آملوں گا[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا بھی حکم ہوا، بدر واُحد جیسی مشہور لڑائیاں بھی گزر گئیں، لیکن حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو اپنے کام سے فرصت نہ ملی۔ اخیر میں جب کفارِ عرب دس ہزار جرّار لشکر کے ساتھ مدینہ منوّرہ پر حملہ آور ہوئے اور خندق کی وجہ سے ایک مہینہ کامل محاصرہ ڈال کر مدینہ کے سامنے پھیل گئے، یہاں تک کہ آسمانی قوت نے ہوا میں جنبش پیدا کی جس نے خیمے اُکھاڑ دیئے، ہانڈیاں، دیگیں اُلٹ دیں، فرشتوں نے کافروں کے دل میں مسل ڈالے، دشمنوں میں بلا وجہ رستخیزی پیدا ہوئی، قریش بغیر لڑے بھڑے مکہ میں آکر چھپ گئے، تو اس واقعہ نے تمام عرب میں زلزلہ ڈال دیا یقین وایمان کی ایک لہر تھی جو تمام عرب میں دوڑ گئی، غفاری اولاً یونہی منتظر بیٹھے تھے۔ اس واقعہ نے ان کے شوق اور اضطراب کو اور بھی بھڑکا دیا۔

مدینہ منوّرہ کا سفر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بقیہ غفار نے درخواست کی کہ ہم لوگ مدینہ جا کر ایمان لانا چاہتے ہیں، اسلم والوں نے بھی ساتھ دیا۔

---

[1] مسند امام احمد ص۱۷۵۔ ج ۵۔ [2] ایضاً ص۱۶۳ ج ۴

۵ھ ہجری کے ابتدائی مہینے تھے کہ غفار اور اسلم کی معیت میں اسلام کا کامیاب مبلغ پھر انھیں قدموں کے نیچے آکر تڑپنے لگا جس کی یاد نے اس کو طویل عرصہ میں کبھی چین سے نہیں رکھا تھا، کیا کچھ واقعات گزرے، ہجر و فراق کی داستانوں میں کیا گفت و شنید ہوئی۔ زمانہ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ ہمیں تو صرف اس قدر معلوم ہے کہ دونوں قبیلے آپ کے روبرو پیش ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیدارِ اقدس سے ان کی آنکھوں بلکہ جانوں کو نوازتے ہوئے فرمایا:

غِفَارُ غَفَرَ اللّٰہُ لَھَا اَسْلَمُ سَالَمَھَا اللّٰہُ (صحاح مسند)

غفار۔ خداوند تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور اسلم کو خدا سلامت رکھے۔

یہ ایک خاص خصوصیت تھی جو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے علاوہ آپ نے کسی قبیلے کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہیں کئے اور اسلم پر بھی یہ رحمت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت پھیل گئی۔

قبائلِ غفار و اسلم تو اپنے خیمہ گاہوں کی طرف واپس لوٹے اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لیا اور اس مضبوطی سے تھاما کہ کبھی الگ نہ ہوئے۔

امارتِ مدینہ

روز بروز آپ کا اقتدار اور اعزاز دربارِ نبوی میں بڑھ رہا تھا حتیٰ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ ذات الرقاع[1]

---

[1] اس جنگ کا نام ذات الرقاع (یعنی لتوں والی لڑائی) ہے وجہ یہ تھی کہ راستہ نہایت سنگلاخ اور پتھریلا تھا جس سے اکثروں کے پاؤں پھٹ گئے تھے لوگوں نے اس لئے پاؤں میں لتے باندھ لئے تھے۔ چوں کہ ذات الرقاع صحیح روایات کی بنا پر خندق کے بعد واقع ہوا ہے۔ اس لئے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا امیرِ مدینہ ہونا کوئی بعید نہیں (و التفصیل فی زاد المعاد ۱۲)

تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کا امام آپ ہی کو بنایا گیا اور نہ صرف آپ ہی امیر ہوئے بلکہ آپ کے صدقے میں غفاریوں کو بھی کبھی کبھی یہ عہدہ ملا۔ مثلاً غزوۂ دومۃ الجندل کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سباع بن عرفۃ الغفاری کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا تھا۔[1]

ردافت کی عزّت عرب میں عام طور سے دستور تھا کہ جب اونٹ پر سوار ہوتے تو اپنے کسی خاص آدمی کو اپنا ردیف بنا لیتے تھے، جو سوار کی کمر تھام کر پیچھے بیٹھتا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی کسی کو اپنا ردیف بناتے تھے۔ حجۃ الوداع میں آپ کے ردیف آپ کے چچازاد بھائی فضل بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردافت ایک بڑا عہدۂ جلیل تھا۔ جس کے ساتھ آپ یہ عزّت دیتے تھے عموماً وہ ردیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے ملقّب کیا جاتا تھا۔

ہمارے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بھی اس عزت سے سرفراز کئے جاتے تھے نہ صرف اونٹوں بلکہ حضور چھوٹی چھوٹی سواریوں میں مثلاً گدھے وغیرہ پر بھی حضرت ابوذرؓ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا کرتے اور آپ سے باتیں کرتے ہوئے راستہ طے فرماتے تھے۔[2]

خدمتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صرف ردافت ہی نہیں بلکہ زمانہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ خادم

[1] زاد المعاد۔ ج ۱، ۱۲۔ [2] زاد المعارج، ج ۱، ۱۲۔

بھی رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی خدمت سے بہت زیادہ خوش تھے ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپؐ کی خدمت سے فارغ ہو کر کچھ رات گزرے مسجدِ نبوی میں سونے کے لئے آئے، چوں کہ اسدن زیادہ کام کیا تھا، اس لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دل دہی کے لئے تھوڑی دیر کے بعد مسجد تشریف لائے۔

حضرت ابوذر سو چکے تھے، آپؐ نے انگوٹھے کے اشارے سے جگایا۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھے، آپؐ نے پوچھا، ابوذر کیا ہے، اس دن کیا کروگے، جب اس سے (مسجد نبوی) سے نکالے جاؤ گے، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربارِ نبوت میں بہت زیادہ شوخ تھے، بولے "اپنی تلوار سونت لوں گا اور مجھے جو یہاں سے نکالے گا، اس کی گردن اُڑا دوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھایا اور دعا کرنے لگے:

اے خدا! ابوذر کی مغفرت فرمایا"

اس کے بعد ابوذرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"ابوذر! نہیں، ایسا نہ کرنا جو بھی تجھ پر حاکم ہو، اگرچہ غلام حبشی کیوں نہ ہو جس کے ناک، کان اُکھڑے کیوں نہ ہوں، اس کی اطاعت کرنی چاہیئے، وہ جدھر کھینچے کھنچ جانا۔

اور ایسا ہی ربذہ میں ہوا جس کی تفصیل آتی ہے۔

صاحبِ سرّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص خصوصیت یہ بھی تھی، حضورؐ نے بہت اسرار آپؓ کو بتائے تھے، لوگ جب آپ سے کوئی حدیث پوچھتے تھے تو فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسرار بتائے ہیں، وہ اگر پوچھتے ہو تو نہیں بتاؤنگا۔ اس کے علاوہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو[1]

دردِ محبت اگرچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اکثر حالات میں تفتہ جگروں کو اس ٹیس کے کھلے کھلے نشانات ملتے ہیں، جس کے بغیر مومن، مومن نہیں ہوتا، لیکن بعض واقعات خاص طور پر عبرت انگیز ہیں، جس سے محب و محبوب کی باہمی لگاوٹوں کا ایک دلفریب مرقع سامنے کھنچ جاتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ اکثر جب حدیثِ جاناں کا ذکر فرماتے تو کہتے:

اَوْصَانِیْ حَبِیْبِیْ بِثَلَاثٍ	میرے محبوب نے مجھے تین باتوں کی
بِصَلٰوۃِ الضُّحٰی وَالْوِتْرِ	وصیت کی ہے۔ چاشت کی نماز کی اور
قَبْلَ النَّوْمِ وَالصِّیَامِ ثَلٰثَۃَ	وتر سونے سے پہلے پڑھ لیا کروں، ہر
اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَھْرٍ[2]	مہینے میں تین روزے رکھا کروں۔

اور اخیر میں فرما دیتے کہ میں اس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی طرح ایک دوسری وصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛

---

[1] مسند احمد بن حنبل ص ۱۶۷ ج ۵، مطبوعہ مصر ۱۲ [2] مسند احمد ۱۲

اَوْصَانِیْ حَبِیْبِیْ بِخَمْسٍ اُرْحِمُ الْمَسَاكِيْنَ وَاُجَالِسُهُمْ وَاَنْظُرُ اِلٰى مَاهُوَ تَحْتِيْ وَلَا اَنْظُرُ اِلٰى مَاهُوَ فَوْقِيْ وَاَنْ اَصِلَ الرَّحِمَ وَاَنْ اَقُوْلَ الْحَقَّ وَلَوْكَانَ مُرًّا وَاَنْ اَقُوْلَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ [1]	میرے محبوبؐ نے مجھے (اور) پانچ باتوں کی وصیت کی، یہ کہ مسکینوں پر مہربانی کروں اور انہیں کے ساتھ نشست وبرخواست رکھوں ہمیشہ اپنے سے بہتر حال والے کو نہ دیکھوں اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کروں اور سچ بولوں اگرچہ تلخ کیوں نہ ہو اور کہتا رہوں کہ گناہوں سے باز نہیں رہ سکتا اور نہ فرمانبرداری پر قادر ہوسکتا ہوں۔ مگر صرف خدا کی مدد سے۔

٭ ٭

الغرض یہ خاص آپ کا طرز تھا کہ ان کا نام جن کی زندگی کی قسم آسمانوں پر رحمٰن مقتدر کھاتا تھا، حبیبی یا خلیلی کے لفظ سے تعبیر کیا کرتے، کبھی کبھی حالت بہت غیر ہوجاتی تھی۔ حدیث بیان نہیں کرسکتے تھے، گریہ طاری ہوجاتا تھا۔

احنف بن قیس راوی ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیت المقدس کی مسجد میں ایک حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھا۔ صرف اتنے الفاظ کہکر مجھے میرے محبوب ابوالقاسم صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی چیخ مارتے تھے، پھر لوٹاتے کہ مجھے میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور چیخ مارتے، پھر یہی کہتے کہ میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، اور چیخ مارتے، حتیٰ کہ چوتھی بار ضبط کرکے آپ نے حدیث بیان کی [2]

---

[1] مسند احمد۔ [2] مسند احمد ۱۲

ایک دن حضرت ابوذر کو خیال گزرا کہ آج تو ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے ہیں، لیکن جنت میں کیا ہو گا؟ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بہشت میں ہوں گے، اور میرا وہاں جانا مشکوک ہے کہ جنت کا استحقاق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباعِ کامل سے ہوتا ہے اور ہم میں یہ کب ہے۔

الغرض اس کا خلجان اس قدر بڑھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور پوچھا کہ یارسول اللہ! ایک آدمی ہے جو کسی کو پیار کرتا ہے، اس سے اسے محبت ہے، لیکن اس میں استطاعت نہیں کہ اپنے محبوب کے مانند تمام اعمال و افعال کو بجا لائے، (پھر اس کا قیامت میں کیا حال ہو گا) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذرؓ کے مقاصد کو پہنچ گئے، فرمایا اے ابوذر تم تو اسی کے ساتھ ہو گے، جس کو پیار کرتے ہو۔ حضرت ابوذرؓ بے تاب ہو کر چلّائے کہ یارسول اللہ میں تو اللہ اور اس کے رسول کو پیار کرتا ہوں اور انہیں کو دوست رکھتا ہوں۔ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تو اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ رہو گے، جسے چاہتے ہو۔"

شہیدانِ محبت کے لئے حضرت ابوذرؓ کا یہ سوال انشاء اللہ بہت زیادہ ہمت افروز، حوصلہ افزا ہے، اعمال میں کمزوریاں ضرور ہیں، اتباعِ اسوۂ نبویہ یقیناً نایاب ہے۔ لیکن۔

اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ ۔۔۔ تو اُس کے ساتھ ہو گا جس کو دوست رکھتا ہے

لے مسند احمد۔ ۱۲

بھی ایسی سچی زبان صلوۃ اللہ علیہ وعلیٰ اصحابہ وسلامہٗ کے امواجِ صادقہ ہیں، جسکی سچائی کی امید نہ رکھنی کفر ہے، تم محبت کر کے دیکھو! دیکھنا کہ اتباع کے لئے جوڑ جوڑ، بند بند، ظاہر و باطن خود مضطر ہوگا۔

اب شانِ محبوبی کی جلوہ فرمائیوں کا بھی نظارہ کرو جانبازوں کے ساتھ کیا نوازشیں تھیں کیا کچھ مدارتیں تھیں، حضرت ابوذر رضؓ خود فرماتے ہیں، کہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

لَمْ يَلْقَنِيْ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ بِيَدِيْ۔	کبھی میری ملاقات ایسی نہیں ہوئی کہ آپؐ نے میرے ہاتھ نہ پکڑے ہوں یعنی ہمیشہ مصافحہ کی سرفرازی نصیب ہوتی۔

٭ ٭ ٭

دربارِ رسالت میں جب کسی کی زبان نہیں کھل سکتی تھی، کسی کے کرم ہائے فراواں نے ابوذر رضؓ کو گستاخ کر دیا تھا، جوجی میں آتا تھا پوچھتے تھے، خود فرماتے ہیں:۔

إِنَا كُنْتُ أَسْأَلُ عَنْهَا يَعْنِيْ أَشَدَّ مَسْـئَلَةً (سنن بيهقي)	میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پوچھا کرتا تھا اور پوچھنے میں سخت تھا۔

سوال کی اسی شدت وکثرت کا نتیجہ تھا کہ آخر دلوں میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

لَقَدْ تَرَكَنَا مُحَمَّدٌ !	محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت

صَلَّی اللّٰہُ وَسَلَّمَ وَمَا	ہم لوگوں کو چھوڑا جب فضا میں
یُحَرِّکُ طَائِرٌ جَنَاحَیْہِ	اڑنے والے پرندوں کے متعلق
فِی السَّمَآءِ اِلَّا اَذْکُرُ	بھی ہمیں کوئی نہ کوئی علم مل گیا
مِنْہُ عِلْمًا۔	

٭ ٭ ٭

صحبت و خدمت کی اس طویل مدت اور سوالوں کی پوچھ گچھ کے اس دراز سلسلے میں شاید ہی کبھی اپنے نیازمند کو بارگاہ سراپا ناز سے جھڑکی ملی۔ البتہ ایک دفعہ جب حضرت ابوذرؓ اپنے حدود سے بہت آگے بڑھ گئے تو پھر عتاب ہوا اور ایسا عتاب ہوا کہ حضرت ابوذرؓ بھی اس کو ہمیشہ یاد کرتے ہوئے فرماتے

فَغَضِبَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ	پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر غصے
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	ہوئے اور اس قدر غضب ناک ہوئے
مَا غَضِبَ عَلَیَّ مِنْ قَبْلُ	کہ نہ اتنا غصہ آپ کو مجھ پر اس سے پہلے
وَلَا مِنْ بَعْدُ (سنن بیہقی)	آیا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی آیا۔

قصہ یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "لیلۃ القدر" کی بڑی تلاش رہتی تھی، ایک دن موقع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے کہ یارسول اللہ کیا قدر کی رات صرف رمضان کے مہینے کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسرے مہینوں میں بھی واقع ہو سکتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، صرف رمضان میں میں نے عرض کیا کہ یہ رات محض اس وقت تک رہے گی، جب تک کہ اللہ کے پیغمبر ہم میں ہیں یا ان کے بعد بھی اس کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نبی کے بعد بھی یہ رات باقی رہتی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

میں نے عرض کیا کہ آخر رمضان کے کس عشرہ میں اس رات کو تلاش کیا جائے ؟
آپؐ نے فرمایا آخر عشرہ میں اور اوّل عشرہ میں اسے ڈھونڈو!۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کسی اور گفتگو میں مصروف ہو گئے ۔لیکن میں موقع کی تلاش میں رہا ذرا غفلت پا کر پھر پوچھا کہ آخران دو عشروں میں سے کس عشرہ میں واقع ہوتی ہے ۔ فرمایا کہ آخر عشرہ میں! اور اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بس آیندہ کچھ نہ پوچھنا ، پھر آپ دوسری باتوں میں مشغول ہو گئے ۔ مگر میں تاک ہی میں لگا رہا ، موقع پاتے ہی باوجود ممانعت کے میں نے یہ کہتے ہوئے

أَقْسَمْتُ عَلَيكَ يَارَسُولَ الله	حضور پر میرا جو کچھ بھی حق ہے میں کی
بِحَقِّيْ عَلَيْكَ لِتُحَدِّثَنِيْ	قسم دیکر عرض کرتا ہوں کہ مجھے بتا دیجئے
فِي اَيِّ الْعَشَرَةِ هِيَ	کہ عشرہ اخیر کی کس رات میں یہ رات

واقع ہوتی ہے ؟

بس اس کے بعد حلم قلزم عمیق میں جنبش ہوئی اور ایسی ہوئی جسے تم حضرت ابوذر رضؓ کی زبانی سن چکے ہو کہ اس طلاطم کو نہ انھوں نے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں ، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ دریائے رحمت کے اس غضبی جوش کا منشا کیا تھا باوجود ممانعت کے حضرت ابوذر رضؓ کے پوچھنے پر غصّہ آیا ۔ شاید اس پر کہ ابوذر رضؓ میں اب تک اپنا اتنا حصّہ باقی ہے ۔ جس کی تعبیر انھوں نے "حق" سے کی ۔ حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر کو جو کچھ بتانا چاہتے تھے اس کے اندر "حق" کی گنجائش کہاں رہتی ہے ؟ بہر حال یہ الفت و محبّت کے دائرہ کی باتیں ہیں ان رموز و اسرار تک محب و محبوب کے سوا کسی دوسرے کی کیا رسائی ہو سکتی ہے

میں تو اس وقت ان نوازشوں کا ذکر کرنا چاہتا تھا، جو مختلف شکلوں میں جانباز ابوذر رضؓ پر دربارِ نبوت سے مبذول ہوتی رہتی تھیں۔ واقعات بکثرت ہیں لیکن سب سے نمایاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مرض کا ایک واقعہ ہے حضورؐ صاحبِ فراش ہیں، مرض شدّت پذیر ہے عین اسی عالم میں حکم ہوتا ہے کہ ابوذر کو بلاؤ۔ لوگ دوڑتے ہیں لیکن وہ وارفتۂ جمالِ نبویؐ خدا جانے کدھر نکل گیا تھا، تھوڑی دیر میں جب واپس ہوئے اور معلوم ہوا کہ طلبی ہوئی تھی ہانپتے کانپتے آستانے پر پہنچے باریابی ہوئی۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ آپؐ لیٹے ہوئے تھے، ضعف سے اٹھ نہ سکے، میں آپؐ کی طرف جھکا اس وقت آپؐ کے دونوں ہاتھ بڑھے اور مجھے اپنے صدرِ منشرح سے چمٹا لیا۔[1] پھر اس کے بعد کیا ہوا۔ اس کا پورا علم تو حضرت ابوذر رضؓ کو ہوگا، تاہم اتنا تو دنیا کو بھی معلوم ہوا کہ اس کے بعد ابوذرؓ سے پندار وخودی، آرزو وخواہش کے خس وخاشاک جل کر کچھ اس طرح بھسم ہوئے کہ پھر کبھی نہیں اُگے۔

مطلعِ سینۂ نبویؐ سے ابوذرؓ کے پہلو میں وہ درد اُترا جس کے بعد انسان ہمیشہ مجنون ودیوانہ مشہور رہا ہے۔

صُحبتِ نبویہؐ کے آثار | محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ (بلکہ وہ بھی جو آپؐ کے ساتھ ایماناً نہ تھے پر آپؐ کے زمانہ میں تھے، باہمی تعلقات کو ذہن نشین کرانے کے لئے ہمارے سامنے حضرت مجدد الف ثانی رحؒ کے اس

[1] مسند احمد بن حنبل الامام ۱۲

تمثیلی بیان سے غالباً زیادہ مؤثر کوئی چیز نہ ہو، یعنی اپنے مکتوبات میں ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں:۔

آفتاب جگر آسمان پر تھراتا ہوا جلوہ افروز ہوتا ہے دھوبی اپنے کپڑے صاف کرکے اس کی گرم گرم شعاعوں کے سامنے ان کپڑوں کو پھیلا کر کھڑا ہو جاتا ہے،" مگر تاثیر کی بوقلمونی کس درجہ اعجوبہ پرداز ہے کہ کپڑے آناً فاناً سفید ہوتے جاتے ہیں اور دھوبی کا چہرہ اسی دھوپ میں اسی وقت ایک ہی ہوا میں اسی نسبت سے سیاہ پڑتا جاتا ہے۔"

تم دیکھتے ہو کہ عرب کے ایک ساحلی شہر طیبہ میں ایک نبوی آفتاب چمک رہا ہے، اس کے اردگرد سیکڑوں دل، ہزاروں روحوں کا اجتماع ہے۔ لیکن وہ جنھیں لوگ افضل البشر بعد الانبیاء کہتے ہیں۔ صدیقیت کے رنگ کو اپنے اندر اس کی کرنوں سے پختہ کر رہا ہے، کسی میں فاروقیت یا حق و باطل کی قوت ممیزہ شدت پذیر ہو رہی ہے کوئی ہے جو اپنے روح وجسم میں حیا کے تمام شعبوں کی تکمیل میں مصروف ہے۔ کسی کا سینہ علوم و معارف کیلئے یوماً فیوماً منشرح ہو رہا ہے اور جہاں یہ ہے وہیں چند اشقی القوم ایسے بھی ہیں جن کے قدم جہل و تیرہ دری کی سیاہ کیچڑوں میں دھنس رہے ہیں، گمراہی و شرارت کے لہب و شعلوں میں گھسے جاتے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ	مبارک ہو وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہت (عالم)
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ	کی ہے اور وہ ہر چیز (خواہ شر ہو یا خیر) پر قادر ہے اسی نے
الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ	پیدا کیا تو کو جو ایک شر چیز ہے) اور زندگی کو (جو خیر ہے)

انھیں دلوں میں ایک وہ دل بھی تھا، جس پر غفاریوں کی خاندانی جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے اور جس پر لٹیروں کی قساوت و ہوسناکی کا بادل محیط تھا، لیکن اس تنگ تاریک کے اندر ایک مادہ صالحہ بھی پنہاں تھا، جو اسی مدنی آفتاب کے نیچے خوش قسمتی سے آگیا ہے۔

سراجِ منیر (آفتابِ درخشاں) کی تیز کرنیں اس پر بھی پڑ رہی ہیں، ابر ہٹ رہے ہیں پردہ چاک ہو رہا ہے، حتیٰ کہ جب ان کی بالکل دھجیاں اڑ گئیں تو میں نے بعد کو اور مجھ سے صدیوں پہلے دنیا کی بہترین جماعت نے وَحْیٌ یُّوْحٰی کی صداقت مآب آوازوں میں سُنا۔

مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی زُھْدِ عِیْسٰی مَرْیَمَ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اَبِیْ ذَرٍّ — جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زہد کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے پس وہ ابوذر کو دیکھے۔

حتیٰ کہ جب دیکھنے والوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کے اس نبی میں جو تائید روح القدس کے پرورش یافتہ تھے اور محمد (صلوۃ اللہ علیہ وسلامہ) کی ادنیٰ پذیرندہ کے زہد میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ ہمارے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے جن کی فطرت میں بطن اُمّ (شکم مادر) سے زہد و تقوی کا تخم موجود تھا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آبشارِ صحبت کی بدولت وہ اُگا، پھلا پھولا اور اخیر میں اتنے برگ و بار لایا کہ اس کی شادابی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حقیقتِ جامعۂ نبویہ کی شاخ مسیحی کا اسے ایک نمونہ قرار دیا۔[1]

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی شانِ مبارک میں ارشاد فرمایا ہے: اوتیت علم الاولین والآخرین اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم و معارف مجھے دیئے گئے اسی لحاظ سے آپؐ کی ذات

(باقی صفحہ آئندہ پر)

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفس صحبتِ پاک کا یہی اثر تھا لیکن اسباب وعلل کی تلاش کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہت بڑا دخل سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت انتخاب اور طریق تعلیم کو بھی تھا۔ آپؐ جس شخص میں جس چیز کی مناسبت دیکھا کرتے اس کو اسی قسم کی تعلیم دیتے تھے جیسا کہ ان شاء اللہ کچھ تھوڑی بہت تفصیل اس کی آئندہ پڑھوگے۔ تم کو وہیں سلف صالح کی ان آراء مستقیمہ کی صداقت بھی معلوم ہوگی جو فرماتے آئے کہ حدیث و قرآن سے تکمیلِ روحِ انسانی کے لئے ضرورت ہے کہ کسی شیخ طریقت کی حلقہ بگوشی بھی اختیار کی جائے۔ وجہ یہ ہے کہ گو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بصورتِ قرآن و آثار و حدیث ہمارے سامنے ہے، لیکن آج وہ قوتِ انتخابیہ کہاں ہے جو جانچ لے کہ فلاں شخص کے لئے فلاں تعلیم کی ضرورت ہے۔

حضراتِ صوفیاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں خدا اس قوت کو پیدا فرماتا ہے اور وہ اپنے وابستوں کی جبلت کا اندازہ کرکے ان کے سامنے ارشاد و تعلیم فرماتے ہیں۔

(باقی گذشتہ صفحہ کا) تمام انبیاء علیہم السلام کے حقائق کی جامع تھی صحابہ پر ان حقیقتوں میں سے کسی ایک کا پرتو پڑتا تھا اور وہ اسی میں پختہ اور کامل ہوجاتے تھے۔

طریقۂ تعلیمِ نبوی

میں استیعاب تو نہیں کرسکتا، تاہم مختصر طور پر اس کا ایک دھندلا سا خاکہ پیش کرنے کی گنجائش بھی پاتا ہوں

محبتِ دُنیا مراتبِ زہد میں سب سے پہلے جس جذبہ کو دبانا چاہئے وہ محبت دنیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے دھن دولت کی مذمت فرماتے، خود ابوذر رضؓ فرماتے ہیں کہ میں کعبہ (غالباً یہ مدینہ آنے سے پہلے کا واقعہ ہے) کی طرف ایک دن جارہا تھا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دیوار کے سائے میں جلوس فرما تھے، دور سے مجھے دیکھا، اور جب قریب ہوئے تو فرمانے لگے:۔

هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔	وہی برباد و تباہ ہیں قسم ہے کعبہ کے رب کی وہی برباد و تباہ ہیں قسم ہے کعبہ کے رب کی۔

حضرت ابوذر رضؓ کو خیال ہوا کہ شاید میرے متعلق آپ پر کوئی وحی نازل ہوئی

سانس چڑھ گئی، دوڑتے ہوئے آئے اور فرمایا:

مَنْ هُمْ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ — وہ کون ہیں آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَلْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ — زیادہ مال و دولت والے، لیکن

قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا — جس نے اس طرح اور اس طرح دیا

وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ — وہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں، آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں کے دونے بنائے اور آگے دائیں بائیں کی طرف اشارہ فرمایا، یعنی جو خوب لے دے، غریبوں کے کام چلائے۔

شام کا وقت ہے، صحرائے مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغرضِ سیر و تفریح تشریف لے جاتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ ہیں، سامنے احد کا پہاڑ نظر آیا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا

"ابوذر"——!

حضرت ابوذر: لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

آپؐ نے فرمایا:-

"اے ابوذر! اگر اس اُحد کے برابر بھی ہمارے پاس سونا ہو تو میں اس کو بالکل پسند نہیں کروں گا کہ وہ ہمارے یہاں تیسرے دن تک رہ جائے لیکن صرف اس قدر حصہ جو قرضداروں کے لئے رکھ چھوڑوں، میں سب کو ادھر اُدھر اللہ کے بندوں پر تقسیم کر دوں" اور پھر دونے بنا بنا کر آپؐ دائیں بائیں

اشارے فرمانے لگے۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں، ہم پھر آگے چلے، آپؐ نے تھوڑی دیر کے بعد پھر ارشاد فرمایا:

"ابوذر! وہی بے دولت ہیں جو دولت والے ہیں۔ مگر وہ جو ادھر دے اُدھر دے"[1]

پس وہ جنھیں خدا پیار کرتا ہے ان میں ایک وہ شخص ہے کہ ایک نقیر اس قبیلہ میں آتا ہے اور قرابت کا واسطہ دے کر نہیں بلکہ خدا کا واسطہ دے کر ان سے کچھ مانگتا ہے اور قبیلے کے لوگ اسے کچھ نہیں دیتے ہیں، لیکن وہی چپ چاپ اٹھتا ہے اور چھپا کر اس کے کچھ اس طرح حوالہ کر دیتا ہے کہ اس خیرات کا علم بجز خدا اور لینے دینے والے کے علاوہ کسی کو نہیں۔ دوسرا وہ ہے جو کسی قافلے کے ساتھ رات کو چلتا ہے، حتیٰ کہ جب قافلہ پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے وہ کسی مقام پر اتر پڑتے ہیں اور تکیوں پر سر رکھ کر سو جاتے ہیں لیکن وہ تھکا ماندہ مسافر اکیلا خدا کے آگے کھڑا ہو جاتا ہے اور اللہ کی خوشامدیں کرتا ہے۔ اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے۔

تیسرا وہ ہے جو کسی جنگ میں شریک ہے دشمنوں سے سپاہیوں کی مڈبھیڑ ہو جاتی ہے اتفاق سے مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے اس وقت سینہ تانے آگے بڑھتا ہے، پھر یا قتل ہو جاتا ہے یا مظفر و منصور واپس ہوتا ہے۔

اور جن سے خدا بغض رکھتا ہے، وہ بڈھا زانی اور قلاش بانکا اور ظالم دولت مند ہے[2]

---

[1] [2] مسند احمد ۱۲

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جو لوگ آج اونٹوں، بکریوں، گائیوں کے مالک ہیں اور ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، قیامت کے دن ان کی مویشیاں بہت بڑی اور موٹی ہو کر آئیں گی، اور جب تک اعمال کا فیصلہ نہ ہوگا، کوئی اپنے مالک کو سینگوں سے مارے گا، کوئی اپنے قدموں سے کچلے گا۔ ایک قطار جب ختم ہو جائے گی تو دوسری آئے گی، اور وہی دُرگت بنائے گی۔[1]"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث تو آخر میں اکثر پڑھا کرتے تھے کہ مجھ سے میرے محبوبؐ نے عہد کیا کہ جس نے سونے چاندی پر گرہ لگائی وہ ان کے مالک پر انگارے ہیں[2] اور نہ صرف یہ حدیثیں بلکہ ایسے سیکڑوں اقوالِ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتبِ احادیث میں موجود ہیں جن میں حضرت ابوذرؓ کی تعلیم کا خصوصیت کے ساتھ پتہ چلتا ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں داخل ہوتے ہیں، اور ارشاد فرماتے ہیں:۔
"ابوذر ——— ! مسجد میں جو سب سے بلند رتبہ کا آدمی ہو دیکھو وہ کون ہے"

---

[1] مسند احمد۔ اس حدیث میں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ مویشیوں پر زکوٰۃ اس وقت ہے جبکہ وہ یا تو تجارت کی غرض سے پالے گئے ہوں یا انکا اکثر زمانہ چرائی میں بسر ہوتا ہو، ورنہ گھر پر کھلائے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں۔
[2] اس حدیث کے متعلق حضرت ابوذرؓ کا خاص تصہ اور فتویٰ ہے، ناظرین اس کو یاد رکھیں، تمام تمہید اسی کے لئے ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو جس کے بدن پر نہایت قیمتی جوڑا تھا دیکھا، اور اشارہ کیا کہ وہ حضور ہے۔ آپ نے فرمایا، اچھا اب دیکھو، ان میں سب سے زیادہ گرا ہوا کون ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مسکین کی طرف جو نہایت پھٹے پُرانے چیتھڑوں میں لپٹا ہوا تھا، اشارہ کیا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا:

"خدا کی قسم، قیامت کے دن اس کا (یعنی پھٹے پُرانے کپڑوں والے کا)
وزن نیکی اور بھلائی میں ایسوں سے (یعنی) اچھے قیمتی حُلّے والوں سے)
تمام زمین کے وزن کے برابر زیادہ ہوگا۔"[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن معاش سے تنگ آکر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور درخواست کی کہ حضور مجھے کسی صوبہ کا عامل (گورنر) مقرر فرمائیں۔ آپ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہٗ نے سنتے ہی فرمایا:

يَا اَبَاذَرٍ اِنِّيْ اَرَاكَ ضَعِيْفًا	ابوذر میں تم کو کمزور پاتا ہوں (یعنی
وَاِنِّيْ اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ	یہ کام تمہاری فطرت کے مناسب نہیں)
لِنَفْسِيْ لَاتَاَمَّرَنَّ عَلَى	اور میں تمہارے لئے اسی بات کو پسند
اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ	کرتا ہوں جو مجھے اپنے لئے پسند ہے
الْيَتِيْمِ[2]	ہرگز ہرگز تم دو آدمیوں کے کبھی امیر نہ بنا
	اور نہ کسی یتیم کے مال کے متولی ہونا۔

---

[1] مسند احمد ۱۲ [2] طبقاتِ ابنِ سعد ج ۴ ص۱۷۱ ۱۲

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات کو حاضر ہوا تھا اور صبح تک اصرار کرتا رہا، لیکن آپ نے کسی طرح منظور نہیں فرمایا۔[1]

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طبیعتوں کی فطری نہاد کا اندازہ بہت ضروری ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو تو اس عہدہ پر خود مامور فرماتے تھے، لیکن حضرت ابوذرؓ کے لئے اسے کیوں نہ پسند فرمایا۔

حُبِّ مال جو حُبِّ دنیا کی نہایت خاردار شاخ ہے۔ اس کی نشوونما میں سب سے زیادہ تائید بخشنے والی چیز ریس اور دوسری دنیاوی ترقیاں ہیں۔ انسان پر کبھی ہستیِ ناپائیدار کی اصل حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، اور چند دنوں کیلئے اکثر سلیم الفطرت کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے، مگر جہاں مال داروں اور اپنے سے زیادہ دولت مندوں پر نظر پہنچی۔ ان کے اونچے مکان، عمدہ لباس، لذیذ کھانے، خوب صورت پُرشوکت سواریاں سامنے سے گزریں بس اسی وقت ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے اس کے بعد زہد و عزلت کے تمام جذبات کو کھو بیٹھتا ہے، روحانی خیالات مسلوب ہو جاتے ہیں اور دنیا کی ہوس دل و دماغ پر مسلط ہو جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا بھی علاج بتا دیا تھا اور وہ اخیر عمر تک اسی پر عامل رہے۔ خود حضرت

---

[1] مسند احمد ۱۲

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں:
"میرے خلیل (یعنی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے حکم دیا ہے:"
(۱) مسکینوں سے محبت کروں اور ان سے ملتا جلتا رہوں۔
(۲) اور مجھے فرمایا کہ میں اپنے سے کم رتبہ والے آدمی پر ہمیشہ نظر کروں اور اپنے سے بلند مرتبہ پر کبھی نگاہ نہ ڈالوں"
یہ دراصل اس مرض کا بہترین علاج ہے۔

فرض کرو کہ ایک آدمی ہے، جسے ململ کا کرتہ اور لٹھے کا پاجامہ پہننے کو، گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت کھانے کو، ایک صاف ستھرا ماحول مٹی کا مکان رہنے کو ملتا ہے۔ اب اگر یہ اس شخص پر جس کے پاس گاڑھے کا کپڑا اور جو کی روٹی اور پھونس کے جھونپڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، نظر کرے گا تو اپنی حالت پر شکر کرے گا اور خواہ مخواہ ان فضول مصائب میں مبتلا نہ ہو گا، جو اسے اپنے سے زیادہ مالدار، زیادہ قیمتی لباس عمدہ کھانے کھانے والے پر نظر کرنے کے بعد جھیلنے پڑتے۔ دنیاوی طمانیت اور اُخروی فوائد کی یہ بہترین تدبیر ہے، لیکن ہم میں کتنے ہیں، جو آج اس پر عامل ہیں، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر اس اصول پر انسان عمل کرے تو شاید اسے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ یہی وہ سنہرا اصول ہے۔ جس کی تعبیر میں سعدیؒ نے کہا:

"پیر کٹے کو دیکھ کر پھر مجھے اس کا افسوس نہ ہوا کہ میرے پاؤں میں جوتے

کیوں نہیں ہیں۔"

حُبِّ مال کے بعد حُبِّ دنیا کا دوسرا جز "جاہ" و "عزّت" کی محبت ہے یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک اور نظامِ عالم کے فساد کا باعث ہے، دنیا میں بندگانِ دین سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ان سے بہت ہی کم ہیں جو جاہ پرستیوں کی دیوانگیوں سے ظہور میں آئے۔

اس مرض کا اصلی سبب یہ ہے کہ انسان اپنے اندر جب کسی کمال کو محسوس کرتا ہے تو وہ کمال عطا کرنے والے کی قوت و قدرت کو بھول جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب میں بھی کچھ ہوں، اور اسی کے بعد کوشش کرتا ہے کہ جیسا کہ میں نے اپنے آپ کو سمجھا ہے کوشش کرنی چاہیئے کہ ہمارے گرد وپیش والوں کو بھی میرے وجودِ باکمال کی اطلاع ہو۔ پھر اس کے لئے جو کچھ تدبیریں اپنی اپنی پرواز کے موافق سمجھ میں آتی ہیں۔ کم دیکھا گیا ہے کہ حرص و ہوا کا ادنیٰ غلام اس کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا رکھتا ہو، منافقت کے انگاروں سے اپنا سینہ بھر لیتا ہے اور حلال و حرام طریقوں سے اپنے وجود کی خبر دنیا کے کانوں تک پہنچانے کی فکر میں مصروف رہتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو کمال پیدا ہونے والا تھا یا ہوچکا تھا وہ زہد و تقویٰ کا کمال تھا۔ ڈر تھا کہ کہیں اس پر عجب و خود بینی نہ پیدا ہو جس کے بعد جاہ و عزّت کا سیلاب خود بخود دنیا و آخرت کے چین کو بہا کر لے جاتا ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقت اس کا بھی انسداد فرما دیا۔ اور صاف لفظوں میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب

کہ آپؐ نے ایک دن فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے میرے بندو! تم سب کے سب گنہگار ہو لیکن جسے میں محفوظ رکھوں۔ پس تم سب کے سب مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کی درخواست کرتے رہو، میں تمھیں بخشوں گا۔ جو مجھے صاحبِ قدرت جانتا ہے کہ گناہوں کو مٹا سکتا ہے، اور مٹاتا ہے۔ اور جس نے میری قدرت کے وسیلہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی میں نے اسکے گناہ معاف کیے اور مجھے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔"

اے ہمارے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو، لیکن صرف وہ جسے میں راستہ بتاؤں، تو تم ہم سے ہی ہدایت کی التجا کرو ــــ تم سب کے سب محتاج و فقیر ہو، لیکن وہ صرف جسے میں غنی کروں، تم مجھ سے ہی اپنی روزیاں طلب کرو، اور یاد رکھو، اگر تمھارے مردے اور زندے، اگلے پچھلے، بُرے بھلے، خشک و تر، سب کے سب کسی بندے کی انتہائی پرہیزگاریوں پر جمع ہو جائیں تو ان سے میرے ملک میں مچھر کے پَر کے برابر بھی کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔

اور اگر تمھارے زندے اور مردے، اگلے، پچھلے، بُرے، بھلے جمع ہوں اور ہر ایک اپنی اپنی تمام امیدوں کا مجھ سے سوال کرے اور میں سب کے سوال پورے کردوں، تو اس سے بھی میرے ملک میں کچھ کمی نہیں ہو گی لیکن صرف اس قدر کہ ایک شخص کسی دریا میں اپنی سوئی ڈبوتا ہے اور نکال لیتا ہے اور اس لئے کہ میں ہی بخششوں والا، بزرگ و برتر تمام

مقاصد پر غالب ہوں، کرتا ہوں جو کچھ چاہتا ہوں۔
میرا دینا بھی میرا کمال ہے اور میرا عذاب بھی صرف میرا کمال ہے، میں جس چیز کا ارادہ کرتا ہوں اس سے کہتا ہوں کہ ہو جا، بس وہ ہو جاتی ہے۔"

یزدانی جلال و جبروت کا جو نظارہ تم اس کلام میں کرتے ہو کیا اس کی صداقت یقین کرنے کے بعد اپنی ہستی یا اپنے مکاسب و کمالات پر کبھی کوئی ناز کرسکتا ہے، کیا اس کے بعد ایک سیکنڈ کے لئے غرور و گھمنڈ کی چنگاریاں کسی دل میں چمک سکتی ہیں اور کیا اس کے بعد پھر کبھی کوئی مومن باللہ جاہ و عزت بقاء و نمود کے لئے کرۂ ارض پر کوئی فتنہ اٹھا سکتا ہے، آخر جب کہ ہم میں ہر ایک خطاوار ہے تو تقویٰ و طہارت پر کون دیوانہ مغرور ہو سکتا حتیٰ کہ اس کی شہرت، وصیت کی جدوجہد میں مبتلا ہو۔

جب کہ ارباب دُوَل کی تمام ثروتیں صرف خدائے قیوم کے قبضۂ اقتدار میں ہیں تو کیسہ ہائے زر پر سینہ تاننے والا اگر احمق نہیں تو اور کیا ہے اگر یہ صحیح ہے کہ ہمارے تمام اکابر اسافل بڑے چھوٹے مل کر بھی خدا کی بارگاہِ جلال میں پرِ پشہ کے برابر اضافہ نہیں کر سکتے، تو پھر انسان مشتِ از خاک انسان کس پر اکڑتا ہے۔

اس کی شانِ بے نیازی کا جب یہ حال ہے کہ وہ ہدایت و رشد کے باب میں بھی صرف توفیق اور اپنے ہاتھ کو کام کرنے والا بتاتا ہے تو ایک واعظ و مصلح کس بنا پر اپنے مساعی کو قابلِ قدر ہستی سمجھ سکتا ہے۔

"آہ! کہ سب کچھ اسی کا ہے، اور ہم محض محتاج و فقیر ہیں تو پھر یہ خودبینی

کیسی، یہ زعم و پندار کیوں ؟"

یہی وہ حِکَم و مواعظ تھے، جس نے اخیر میں رُوحِ ابوذری میں زہدِ عیسوی کا نقشہ کھینچ دیا، بہرکیف یہ سب کچھ تھا اور اس سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبانِ اطہر و قلبِ مزکّٰی سے حضرت ابوذر رضؓ کی زاہدانہ فطرت کو ابھارتے رہتے تھے۔

لیکن آپ کی تمام تعلیم وارشاد میں سب سے زیادہ خصوصی نظر اس حصّہ پر ڈالنی چاہیے، جہاں اسلام اپنی امتیازی شان کے ساتھ تمام ادیان و ملل سے علیحدہ نظر آتا ہے۔

تم کو وسوسہ ہوتا ہوگا کہ اگر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم تھی، تو پھر اسلام نے رہبانیت کی کیا مخالفت کی؟ اور اسے قسیسوں و احباروں کے خود تراشیدہ امور میں کیوں شمار کیا ؟

میں اسی سوال کے جواب کی طرف تمھیں متوجہ کرانا چاہتا ہوں، عام طور پر سمجھ لیا گیا ہے کہ زہد و تقویٰ اس کا نام ہے کہ آبادیوں کو چھوڑ کر پہاڑوں اور بیابانوں میں نکل جانا چاہیے اور وہیں کہیں تنہائی میں بیٹھ کر خدا کی عبادت میں مصروف ہونا چاہیے حضرت ابوذر رضؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"راستوں سے ہڈیاں اٹھانی یہ بھی نیکی ہے، کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ بتا دینا یہ بھی صدقہ ہے۔ کسی کمزور آدمی کی معاونت کرنی یہ بھی صدقہ ہے اور تیرا اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہونا یہ بھی صدقہ ہے۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (تعجب سے) پوچھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا بیوی کے ساتھ ہم خلوت ہونے میں صدقہ ہے؟ حالانکہ اس میں تو آدمی اپنے نفس کی خواہش پوری کرتا ہے۔ کیا آدمی اپنی خواہش بھی پوری کرے گا اور اجر بھی پائے گا؟

سیدالانبیاء علیہم الصّلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا، اچھا بتاؤ اگر تم اس خواہش کو کسی ناجائز اور حرام طریقے سے پوری کرتے تو کیا یہ گناہ نہ ہوتا؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، یقیناً۔

آپؐ نے فرمایا تو تم لوگ گناہوں کا تو خیال کرتے ہو، لیکن نیکیوں کا نہیں عموماً زاہدانہ زندگی گذارنے والے، کسب وحرفت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، اور پھر جب انھیں دنیاوی ضروریات ستاتی ہیں تو حالاً یا قالاً بھیک مانگنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا:

"کیا تم ایک ایسی بات پر بیعت کرو گے کہ اس کے بعد تمھارے لئے صرف جنت ہے۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، جی ہاں۔ اور میں نے ہاتھ پھیلا دیئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "میں تم سے عہد لینا چاہتا ہوں، کہ تم کسی آدمی سے کچھ نہیں مانگو گے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ بہت بہتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حتیٰ کہ وہ کوڑا بھی نہیں جو تمھارے گھوڑے سے گر پڑے، بلکہ تم اترو اور خود اٹھاؤ۔" (مسند احمد ۱۲)

ہمارے زمانے کے فقراء و درویش نے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کر رکھا ہے کہ ہر وقت منہ چڑھا ہوا ہے، کسی نے کوئی بات بھی پوچھی تو اس کا جواب بھی پیشانی پر بل دیتے ہوئے دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہرگز کسی قسم کی نیکی یا بھلائی کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر تمہارے پاس کسی مسلمان کے ساتھ سلوک کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے تو اپنے بھائی کیساتھ بخندہ پیشانی ملو[1]

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں پر زہد کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ یکایک اپنے گھر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ بیوی، بال بچے، اقربا کی خبرگیری کا بالکل خیال نہیں کرتے، حالانکہ یہ حرکت اس مقصد کے لئے بالکل خلاف ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، انسان دنیا میں چند سال کے لئے جس کی مدت اس زمانہ میں ساٹھ ستر سے شاید زیادہ نہیں، محض آزمائش کے لئے اتارا گیا ہے اور اصلی آزمائش یہی ہے کہ تمام فتنوں میں مبتلا ہو کر بھی اپنے خالق ذوالجلال کو نہیں بھولتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"مجھے میرے محبوب نے وصیّت کی کہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتا رہوں، اگرچہ اسے پورے طور پر انجام نہ دے سکوں[2] کہ یہ بہت مشکل ہے (بہرکیف جس قدر بضاعت ہو، اسی میں سب کیساتھ سلوک کرتا رہے۔")

---

[1] و [2] مسند احمد ۱۲

جذب و مستی اور اسکی حقیقت | تعلیم و تزکیہ کا یہی زریں سلسلہ تھا، جو روز بروز حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصل جوہر کو چمکا رہا تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر لحظہ، ہر وقت حضرت ابوذر رضؓ کی حرکت و سکون پر نظر رکھتے تھے اور ادھر ابوذرؓ کا یہ حال تھا کہ جو کچھ کہا جاتا اور جس وقت کہا جاتا فوراً ان کی روح اُسے جذب کر لیتی اور اس سختی کے ساتھ اسے قبول کرتی کہ پھر دنیا کی کوئی قوت اس رنگ کو کسی طرح مٹا نہیں سکتی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ وہ خود اپنی ہستی مٹا بیٹھتے، لیکن یہ بالکل ناممکن ہو رہا تھا کہ جو رنگ ان پر چڑھایا گیا تھا وہ زائل تو کیا میلا بھی پڑتا۔

مثلاً اسی زمانہ میں جب کہ آپ شروع شروع دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے، ایک دن غصہ میں آکر ایک صحابی (حضرت بلالؓ) کو ان کی غلامی کیطرف اشارہ کرتے ہوئے

یَا ابْنَ الْاَمَةِ　　　او لونڈی کے بچے!

کہہ دیا۔ حضرت بلالؓ سیدھے دربار نبوت میں پہنچے، اور ابوذرؓ پر دعویٰ دائر کر دیا کہ انھوں نے مجھے گالیاں دی ہیں۔ اسی وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلبی ہوتی ہے، حاضر ہوتے ہیں، بارگاہِ نبوت سے سوال ہوتا ہے:

اَسَابَبْتَ فُلَانًا　　　کیا فلاں (بلالؓ) کے ساتھ تم نے گالی گلوچ کی ہے؟

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زندہ ضمیر "جرم" کے زہریلے جرم کو اپنے اندر

اس صحت یابی کے بعد جو صحبتِ نبویہ سے حاصل ہوتی تھی چھپا نہیں سکتا تھا صاف لفظوں میں بغیر کسی تاویل یا اظہار اسباب کے اقرار کر لیا اور بولے

نَعَمْ ہاں ایسا ہی ہوا ہے

حوادث و واقعات مقدمات و معاملات کی تنقیح و چھان بین میں کن احتیاطوں اور دقیقہ سنجیوں سے کام لیا جاتا تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل فیصلہ صادر فرمانے کے۔ پھر دریافت فرمایا:

اَفَقُلْتَ مِنْ اُمِّہٖ کیا تم نے (بلالؓ) کی ماں کے متعلق کچھ کہا۔

٭ ٭ ٭

حضرت ابوذرؓ نے اس کے جواب میں بھی وہی:

نَعَمْ جی ہاں

کے ذریعہ قصور کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد ایک کنانی النسل عرب کو ایک حبشی غلام کے مقابلہ میں غلاموں کے مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مشہور خطاب ملتا ہے۔

اِنَّكَ اِمْرُءٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت (گنوارپن) اب تک موجود ہے۔

٭ ٭ ٭

اس کے بعد کتنا پُرلطف فقرہ وہ ہے، جسے امام بخاریؒ اپنی جامع میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اپنے ہادیٔ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے "جاہلیت کے خطاب پانے کے بعد مجذوب ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکلتا ہے۔

عَلٰی سَاعَتِیْ هٰذِهٖ — کیا اس وقت بھی اتنی بڑی عمر میں
مِنْ کِبَرِ السِّنِّ — (ابتک گنوار ہی ہوں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نَعَمْ — ہاں۔

طبقات ابن سعد میں اتنا اور اضافہ ہے کہ

مَا ذَهَبَتْ اَعْرَابِیَّتُكَ — اب تک تمھارا گنوار پن تم سے زائل
بَعْدُ — نہیں ہوا ہے۔

اس زجر و توبیخ کے بعد آپ نے نہایت نرمی اور شفقت سے سمجھانا شروع کیا کہ:

"ابوذر! تمھارے غلام، تمھارے بھائی ہیں (یعنی کسی کو اس کے محض غلام ہونے کے سبب سے ذلیل نہ سمجھو، جس طرح اپنے بھائی کو ذلیل نہیں سمجھتے) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تمھارے سپرد کر دیا ہے، چاہیے کہ انھیں وہی کھانے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی کپڑے پہناؤ جسے تم پہنتے ہو۔

ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ مغلوب و عاجز آجائیں اور کبھی بضرورت تم کسی مشکل کام کی تکلیف انھیں دو بھی تو ان کا ہاتھ بٹاؤ"[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں ان لفظوں کو ڈال دیا، لیکن اس کے بعد دیکھنے والوں نے ان کی برقی تاثیروں کو

---

[1] مسند احمد بخاری وغیرہ۔

اس طرح دیکھا اور بار بار دیکھا کہ حضرت ابوذر رضؓ گھر سے باہر نکلے ہیں غلام بھی ساتھ ہے جو کپڑے اپنے بدن پر ڈالے ہوئے ہیں، ٹھیک اسی قسم کا پیراہن غلام کے دوش پر پڑا ہوا ہے لوگوں نے ٹوکا بھی کہ حضرت آپ نے جو چادر غلام کو دے دی ہے اگر اسے بھی آپ ہی اوڑھتے تو لباس مکمل ہو جاتا، مگر وہی ابوذر رضؓ کبھی ایک آزاد غلام کو بھی لونڈی بچہ کہنے سے نہیں جھجکتے تھے۔ اب کہتے ہیں:

اَجَلْ وَلٰكِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاَلْبِسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ۔ [1]	ہاں (سچ کہتے ہو) لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں، کھلاؤ اپنے غلاموں کو اسی کھانے میں سے جسے تم کھاتے ہو، اور پہناؤ ان کو اسی کپڑے میں سے جسے خود پہنتے ہو۔

سچ کہا، جس نے کہا ہے

ایں خرقہ کہ آلودہ حافظ بخودہ نہ پوشید
اے شیخ پاک دامن معذور دار مارا

تاثیر و تاثر فاعل و قابل میں جہاں کہیں بھی ایسا مضبوط و مستحکم رشتہ قائم ہوا، تسلیم و رضا جب کبھی بھی اس شکل میں رونما ہوئی جو فرمان رسالتؐ اور جانِ ابوذر رضؓ کے درمیان تھی تو آپ یقین کیجئے کہ اس کے بعد تسلیم تسلیم نہیں رہتی۔ اطاعت و فرماں برداری کا زینہ بہت اونچا ہو جاتا ہے، رضا

[1] مسند احمد وغیرہ

اضطرار کے قالب میں ڈھل کر رفتہ رفتہ عشق اور عشق کے بعد، جذب و وجد وارفتگی کی صورت میں ظاہر ہو کر بالآخر برہم زنِ ایوانِ صبر و قرار، عقل و ہوش ثابت ہوتی ہے۔

دنیا نے ہمیشہ اس کیفیت کو خواہ وہ کسی وجہ سے ہو، جنون و دیوانگی سے تعبیر کیا ہے اور مذہبِ تصوف کے محاورہ میں ایسے نفوس کو مجاذیب و بہالیل کا خطاب دیا گیا ہے۔

مجذوبوں کی اصل اور اُن کا سرچشمہ

اگرچہ اتنے اہم مسئلہ پر کوئی قطعی رائے قائم کرنی مشکل ہے تاہم واقعات کی راہنمائی میں اس کا سراغ ضرور ملتا ہے کہ جس طرح آج اسلام کی مختلف شاخیں مختلف اصحابِ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں، اسی طرح طائفۂ مجاذیب و بہالیل جو فقراء کی مشہور جماعت ہے اس کے سنگِ بنیاد، خشتِ اوّل قرنِ صحابہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حالات موجود ہیں۔ اس کی کھلی نشانیاں تم اس میں ڈھونڈ سکتے ہو۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ مجذوبوں کی اصلی حقیقت پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات سے پوری روشنی پڑتی ہے۔ ایک معیار ملتا ہے جس پر زمانۂ حال کے مجذوبوں کو جانچا جا سکتا ہے۔

آپ کی مجذوبانہ وضع

سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ آپ کی وضع اور ہیئت ہے

طبقات ابن سعد، مسند احمد و نیز دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ کے بال پریشان رہتے تھے، داڑھی الجھی ہوئی رہتی تھی۔ خود اس میں کبھی کنگھی وغیرہ نہیں فرماتے تھے، کوئی آدمی جب آپ کو اس حال میں دیکھتا تو پکڑلیتا، نہلا دھلا کر کپڑے بدل دیتا، بال جھاڑ دیتا۔

قبیلہ بنی ثعلبہ کا ایک شخص آپ کی ہیئت کے متعلق راوی ہے۔

مَرَّ بِنَا شَيْخٌ أَشْعَثُ أَبْيَضُ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ فَقَالُوْا هٰذَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَّاهُ أَنْ نَغْسِلَ رَأْسَهُ فَأَذِنَ لَنَا وَاسْتَأْنَسَ بِنَا[۱]

ایک بوڑھا آدمی ہمارے سامنے سے گزرا جس کے بال الجھے ہوئے پریشان تھے باوجودیکہ سر اور داڑھی دونوں سفید ہو چکے تھے، لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں ہم نے یہ سن کر آپ سے اجازت مانگی کہ ہم آپ کا سر دھو دیں، انھوں نے اجازت دے دی اور ہم سے مانوس ہو گئے۔

کتاب کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں، ورنہ خیال آتا ہے کہ کوفیا ——— بیت المقدس کی مسجد میں ایک واقعہ اسی کے قریب قریب پیش آیا۔

آپ کے حلیے سے سراغ جذب

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ آپ کا حلیہ بیان کرتے ہیں وہ اس پر متفق ہیں کہ

[۱] طبقات ابن سعد ج ۴ مطبوعہ لندن ۱۲

آپ دراز قد، گھنے بال والے تھے، لیکن رنگ میں لوگوں کا اختلاف ہے طبقات میں ایک جگہ ہے کہ آپ گندم گوں تھے، اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا رنگ سیاہ تھا[1]

عام محدثین اس تعارض کو جس طرح چاہیں دفع کریں، لیکن میرے خیال میں تو یہی آتا ہے کہ اصل رنگ آپ کا گندم گوں تھا مگر جو سرمست و وارفتہ ہو اس کا رنگ میل کچیل گرد، دھوپ سے اگر سیاہ پڑجائے تو کیا تعجب ہے۔؟

سڑکوں پر سجدے کرنا خصوصًا جب روایتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے بعض شاگرد سڑکوں اور عام شاہ راہوں پر سجدے کیا کرتے تھے، جس سے گمان ہوتا ہے یہ شاگردوں کی حرکت استاد ہی کی تقلید ہوگی، اس لئے نقل کرتا ہوں کہ اس سے بھی آپ کی مجذوبانہ کیفیتوں کا پتہ چلتا ہے۔

مسند احمد میں ہے:

ابوعوانہ اور سلیمان اعمش یہ دونوں کسی راستہ سے گزر رہے تھے، چلتے چلتے یہ سلسلہ جاری ہوا کہ انھوں نے مجھے قرآن سنانا شروع کیا، اور میں نے ان کو اس عرصہ میں جہاں سجدہ کی آیت آجاتی تو وہ سڑک ہی پر سجدے میں گر جاتے۔ میں نے کہا:

---

[1] طبقات ص۱۶۹ ج ۴ - ۱۲

اَتَسْجُدُ فِی السِّکَّةِ — کیا سڑک پر ہی سجدہ کرتے ہو؟

اس کے جواب میں وہ بولے کہ میں نے ابراہیم تیمی سے سنا وہ اپنے والد سے روایت کرتے تھے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ ایک دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ روئے زمین کی سب سے پہلی مسجد کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا، مسجدِ حرام (کعبہ) میں نے عرض کیا پھر کون بنی؟ آپؐ نے فرمایا مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس کی مسجد) میں نے عرض کیا دونوں کی تعمیر میں کتنا فاصلہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا چالیس[1] سال اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

اَیْنَمَا اَدْرَکْتَ الصَّلٰوۃَ — جس جگہ بھی نماز کا وقت آجائے تم

فَصَلِّ فَھُوَ مَسْجِدٌ — وہیں نماز شروع کردو کہ وہی مسجد ہے

اس حدیث سے سڑکوں پر سجدہ کرنے کی اجازت کا استنباط بظاہر حضرت ابوذر حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افتادِ طبع کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ سڑک توبہرحال کچھ صاف ہوتی ہے اور سجدے کے لئے زیادہ گنجائش کی ضرورت بھی نہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو یہ حال تھا کہ لیٹنے تک کے لئے وہ یہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کہاں لیٹ رہے ہیں، کس جگہ لیٹ رہے ہیں۔

نحو کے امام[2] اول حضرت ابوالاسود دوئلی سے منقول ہے:

---

[1] غالباً غرض یہ ہے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد کی بنیاد تعمیر کعبہ کے چالیس سال بعد رکھی بائبل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے تفصیل کیلئے غایۃ البرہان امروہوی دیکھنا چاہیے۔ [2] مسند احمد ۱۵ ج ۵ - ۱۲

فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک تالاب سے کھیتوں کو پانی دے رہے تھے، چند مسلمان ادھر سے گذر رہے تھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر انھیں خیال آیا کہ کاش! ایسے مقدس بزرگ کے موئے مبارک ہاتھ آجاتے تو کیا اچھا ہوتا۔ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کوئی ہے جو اس کام کو انجام دے۔ ان میں سے کسی ایک نے اس مہم کا بیڑا اٹھایا، اور بولا ہاں، میں اس کام کو کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ تالاب پر پہنچا لیکن بدقسمتی سے شاید اضطراب میں اس سے کچھ ایسی حرکت سرزد ہوئی کہ تالاب کا کنارہ اس کی حرکت سے ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں تالاب کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور پھر بیٹھنے ہی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ اسی دم رطوب، کیچڑ سے بھری ہوئی زمین پر لیٹ گئے۔ اس شخص نے پوچھا کہ حضرت یہ آپ یکایک بیٹھ کیا گئے اور بیٹھنے کے بعد لیٹے کیوں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ

"اے شخص مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہوا ہے تو چاہیے کہ فوراً بیٹھ جائے کہ اس سے غصہ جاتا رہتا ہے، ورنہ پھر لیٹ جائے۔"

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تالاب کے توڑنے والے پر غصہ آگیا تھا، اسی کے علاج کے لئے آپ بیٹھے، لیکن مجذوبانہ غصہ تھا نہ اترا، لیکن محمدی جذب کا اثر تھا کہ جذب کے ساتھ اس کا بھی ہوش باقی ہے کہ ایسے موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا

ہدایت ہے اس پر عمل کرتے ہوئے آپ اسی زمین پر لیٹ جاتے ہیں، خدا جانے اس کے بعد اس بے چارے نے جس مہم کے سر کرنے کا وعدہ اپنے رفیقوں سے کیا تھا وہ سر ہوا بھی یا نہیں کہ روایت اس پر ختم ہو گئی ہے مجھے تو اس روایت سے صرف یہ دکھانا تھا کہ جو آدمی اتنی لاپروائی کے ساتھ تالابوں اور کنوؤں کے کناروں کی مرطوب زمینوں پر اس طرح لیٹ جاتا ہو کیا بعید ہے کہ سڑکوں پر سجدہ کرنے کا طریقہ شاگردوں نے اپنے اسی استاد سے سیکھا ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

وارفتگی اور استغراق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سفروں میں سب سے زیادہ دشوار و زیادہ مشکل سفر تبوک کا تھا۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ سے بھی اس کی شرکت میں زلت ہوئی جسکے واقعات عام طور سے مشہور ہیں۔ بہر حال اس غزوہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔ عام طور پر چونکہ امتحان اور جانچ کا موقع تھا، صحابہؓ ایک دوسرے پر نظر رکھتے تھے۔ کوئی آنکھیں بچا کر نکل تو نہیں جاتا ہے اتفاق سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب عادت ایک دن قافلوں والوں سے پیچھے رہ گئے، نگاہیں تو بکھری ہوئی تھیں، فوراً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا کہ "ابوذر بھاگ گئے، بھاگ گئے"۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشِ اقدس تک جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ کو سخت رنج ہوا، آپؐ پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفا شعار فطرت آئینہ کی طرح واضح تھی۔ آپؐ نے مدتوں کے تجربہ کے بعد یقین

کر لیا تھا کہ ابوذر رضؓ کے سینہ میں جو دل ہے وہ کبھی ابوذر رضؓ کے پاؤں کو پیچھے لوٹا نہیں سکتا، لیکن آپ مجبور تھے۔ اس وقت صحابہ کی ان چہ میگوئیوں کا کیا جواب دیتے صرف اس قدر فرماکر

"چھوڑدو، اس کو چھوڑدو! اگر اس کی ذات میں کوئی بہتری ہوگی تو خداوند تعالیٰ خود تم لوگوں سے ملادیں گے۔"

اس قدر فرماکر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خاموش ہوگئے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو زبانِ مبارک چپ تھی، لیکن دل میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہ تمنا تموج پذیر تھی کہ کاش ابوذر ملنے میں جلدی کرتا اور لوگوں کو جو اس کی حالت سے بدگمانی ہوگئی ہے وہ جلد دور ہو جاتی۔

آخر یہی ہوا کہ یکایک آپ کو ہوش آیا۔ آپ جو دیکھتے ہیں تو قافلہ غائب ہے، نہ صحابۂ کرام ہیں نہ وہ ہیں جن کو دیکھ لینے کے بعد ابوذر پھر کسی چیز کو دیکھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے بچھڑنے کا انھیں ادھر احساس ہوا۔ اور دل تھا کہ عجلت اور تیزی کی آرزوؤں میں ڈوب گیا، اونٹ کچھ تو قدرتاً سست تھا، پھر نکیل کو ڈھیلی پاکر بہت زیادہ دھیما ہوگیا، آپ نے ایڑ لگائی، کوڑے لگائے۔ لیکن لوگ میلوں آگے نکل چکے تھے، ان کا چھولینا دشوار ہوگیا، اور یہاں بے تابی حد سے گزر رہی تھی، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیجئے، آخر تھک کر آپ اونٹ سے اتر پڑے، جو کچھ سامان سرپر لاد سکے لاد لیا۔ اونٹ کو مع پالان وغیرہ کے وہیں چھوڑ کر دوڑتے ہوئے تلاشِ محبوب میں قدم بڑھانا شروع کیا۔

انجام کار ہانپتے کانپتے قافلہ کے قریب آ گئے، کسی صحابی کی نظر پڑی کہ کوئی شخص پیادہ پا بعجلت تمام آ رہا ہے۔ لوگوں کو خیال تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ پر سوار ہیں، اس لئے یہ کوئی اور شخص ہے فوراً غل ہوا کہ کوئی آ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں نے اطلاع دی کہ جنگل میں کوئی اکیلا تن تنہا پیادہ پا آ رہا ہے۔ غرض کہ ہر شخص "کوئی آ رہا ہے، کوئی آ رہا ہے" کی آواز بلند کر رہا ہے۔

لیکن حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب دیکھا۔ تو ارمان بھرے دل سے جو آواز نکلی آہ! کہ وہ یہ تھی۔

كُنْ اَبَاذَرٍّ كُنْ اَبَاذَرٍّ ۔ ابوذر ہی ہو، ابوذر ہی ہو۔

ان لفظوں میں کیا مسیحائی ہے؟ تم کو کیا معلوم، قتیلانِ ناز سے پوچھو کہ اس کلمۂ اعجاز میں کتنی مٹے ہوئے کی جانیں پوشیدہ ہیں، اللہ اللہ، سر باختہ ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اس موت کو دیکھ کر رحم آتا ہے اور یوں زندہ کیا جاتا ہے۔ ابوذر رضؓ اپنی ہستی کو کھو بیٹھے تھے۔ ابوذرؓ جو اس طرح اپنی متاع کھوتا ہے وہ یوں ہی پاتا ہے اور لباس وجود دوبارہ اسے اسی طرح پہنایا جاتا ہے

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ جو لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ جو دریا نہ ہوا

نہیں ہو سکتا تھا کہ ادھر سے یہ اعجازانہ الفاظ نکلیں اور دوسری طرف گم ہونیوالا ابوذر پھر پیدا نہ ہو، آخر یہی ہوا۔ چند ہی منٹ کے بعد صحابہ میں غل ہوا کہ "ابوذر ہی ہیں ––– ابوذر ہی ہیں"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا، یہ سنتے ہی آپ حضرت ابوذرؓ کی طرف رحم انگیز نگاہ ڈالتے ہوئے یہ الفاظ فرمانے لگے۔

رَحِمَ اللهُ اَبَاذَرٍّ يَمْشِيْ وَحْدَهٗ	اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے، بے
وَيَمُوْتُ وَحْدَهٗ وَيُبْعَثُ	چارہ اکیلا چلتا ہے، اکیلا ہی مرے گا
وَحْدَهٗ۔	اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔

مجذوبانہ لباس

آپ کسی خاص لباس کے مرہون منت نہ تھے، جو جس قسم کا کپڑا پہنا دیتا، پہن لیتے، کبھی کبھی لوگوں نے حلہ قطریہ کو آپ کے جسم مبارک پر دیکھا ہے، جو عرب کے بہترین لباسوں اور جوڑوں میں خیال کیا جاتا تھا، اور کبھی نہایت ہی خستہ و شکستہ خرقہ و گودڑ میں پھرتے، نہ آپ کو اس کی خوب صورتی اور شان کی کوئی پرواہ تھی اور نہ ان ذلیل کپڑوں کی وجہ سے آپ دل تنگ ہوتے تھے۔

کبھی کوئی کپڑا نہ ملتا تو کمبل ہی اوڑھ کر باہر آجاتے۔ ایک دن آپ بدوؤں کا سا کمبل ہی اوڑھے ہوئے تشریف لے جا رہے تھے۔ کسی خاص شخص نے پوچھا کہ "آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ تھا" جواب میں فرمایا کہ "ہوتا تو تم اس کو ضرور میرے بدن پر دیکھتے"، اس شخص نے کہا کل دو دن ہوئے کہ آپ پر میں نے نہایت عمدہ جوڑا دیکھا تھا (وہ کیا ہوا؟)

بولے کہ تھا تو لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا، جو اس کا محتاج مجھ سے بھی زیادہ تھا، اس لئے اس کے حوالہ کر دیا۔"

اس شخص نے کہا کہ ہرگز نہیں ؟ آپ سے زیادہ محتاج اس کپڑے کا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ یعنی جس شخص کے پاس بجز پھٹے پرانے کمبل کے اور کچھ نہ ہو اس سے زیادہ اور کون محتاج ہو سکتا ہے،،

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کی ضد کو دیکھ کر آگ بگولہ ہو گئے اور نہایت کرخت لہجے میں فرمانے لگے "خدا تجھے بخشے، تو نے دنیا کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا ہے، کیا میرے جسم پر یہ چادر نہیں (یعنی گو کمبل ہی کی ہے لیکن ہے تو) اور اس شخص کے پاس تو یہ بھی نہ تھی اور کیا ایک چادر نماز پڑھنے کے لئے کافی نہیں،، پھر فرمایا۔

اے شخص میرے پاس بکریاں ہیں، جن کا میں دودھ پیتا ہوں۔ اور میرے پاس گدھے ہیں، جن پر بازار کی چیزیں خرید کر لاتا ہوں، غلام ہیں جو میری خدمت کرتے ہیں اور کھانے پکانے میں میری مدد کرتے ہیں، اور ہاں، عید بقرعید کے لئے ایک عبا بھی میرے پاس ضرورت سے زیادہ ہے۔ پس تم خود انصاف کرو کہ ان نعمتوں سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہو سکتی ہے ؟ بلکہ جو عبا میرے پاس زائد ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے اس کا محاسبہ نہ ہو[1]

بستر مبارک عموماً سونے، لیٹنے، بیٹھنے کے لئے ٹاٹ استعمال فرمایا کرتے تھے، کسی نے عرض کیا تو کوئی نرم گدا اپنے لئے کیوں نہیں بنوا لیتے۔ ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے:

"خدایا دنیا میں تو نے جو چیزیں اپنی مرضی سے عطا کی ہیں میں اس کے متعلق بھی مغفرت کا طلب گار ہوں،،

---

[1] طبقات ابن سعد ۱۲

غالباً مطلب یہ ہے کہ نعمتوں کا لینا آسان نہیں۔ نعمت کے بعد اس کے حقوق جو منعموں پر عاید ہوتے ہیں، مشکل ہے بھول جانے والے ناقدر انسان کا ان حقوق سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے، کس حد تک اس کا شکر ادا کر سکا اپنے دوسرے ہم جنسوں، قرابت داروں، عزیزوں کے جو حقوق در حقوق اس میں پیدا ہو گئے کہاں تک اسے اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک طرح سے پہنچا سکا۔ پس سچ تو یہ ہے کہ ہر نعمت کے بعد بھی تقصیرات کے عذر بھی اسی قدر کرنے چاہئیں، جتنی ہماری تقصیریں ہیں۔

آپ کی عبادت پر جذب کا اثر

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ گمان کہ وہ نماز، روزہ یا دیگر شرعی تکلیفات سے آزاد ہو گئے ہیں، ان کی کیفیت کو ناقص اور غیر مکمل بنا دیتا ہے نماز کی پابندی تو اور بات ہے یہ بھی کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ انھوں نے وقت سے ٹال کر کوئی نماز پڑھی ہو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی کے ساتھ ان کو وقت پر نماز پڑھنے کی تاکید کی تھی۔

جب جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے کہ کون سا عمل افضل ہے تو آپ یہی فرماتے کہ "وقت پر نماز پڑھنی" اور نہ صرف اس قدر بلکہ آپ نے تاکید کی تھی کہ ابوذر! اگر امرا نماز میں تاخیر کریں اور وقت سے ٹال کر پڑھیں تو تم اپنی نماز وقت پر پڑھ لیا کرو اور پھر ان کے ساتھ مسجد میں آکر شریک ہو جاؤ۔ یہ نماز تمھارے لئے نفل[1] ہو جائے گی۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء ص۱۲۲ ج ۱

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر باوجودیکہ جذب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ لیکن آج تک کسی روایت سے باوجود تجسس کے مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کسی وقت کی نماز چھوٹی ہو۔ ہاں اس کے برخلاف البتہ روایتیں ہیں کہ ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہانے کی ضرورت ایسے مقام پر ہوئی کہ وہاں پانی موجود نہ تھا۔ تیمم کا مسئلہ آپ کو چوں کہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے دوڑتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر چلانے لگے:

هَلَكْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! میں ہلاک ہو گیا ہوں یا رسول اللہ

آپ نے پوچھا "کیوں، کیوں؟" بولے کہ "میں جہاں تھا وہاں میرے ساتھ میری بیوی بھی تھی۔ مجھے نہانے کی ضرورت ہوئی۔ اب کیا کرتا نماز قضا ہو گئی"، گویا اسی کو اپنی ہلاکت سے تعبیر کر رہے تھے، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیمم کا طریقہ بتایا۔

نماز چھوڑتے تو کہاں تک۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ، خصوصیت کے ساتھ نماز کے مسئلہ میں آپ کا انہماک اس درجہ پر پہنچا ہوا تھا کہ خود ہی فرماتے ہیں کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی، اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز کے بعد بھی اٹھنا نہیں چاہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اپنی قیام گاہ کی طرف اٹھ کر چلے گئے۔ جب آپ نے اچھی طرح اندازہ کر لیا کہ لوگوں کی آنکھیں گہنا گئیں یعنی بند ہو گئیں، لوگ سو گئے) اور سناٹا ہو گیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس مقام پر تشریف لائے، جہاں عشاء کی نماز

پڑھائی تھی اور تنہا نماز کے لئے کھڑے ہو گئے میں تاک میں تھا جھپٹ کر آیا اور نیت باندھ کر حضورؐ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ میرے داہنے جانب کھڑے ہو۔ میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ابنِ مسعود بھی (جو غالباً اسی فکر میں کہیں چھپے بیٹھے تھے) وہاں پہنچے، چاہا کہ کھڑے ہوں۔ حضورؐ نے اشارہ فرمایا کہ میرے بائیں جانب کھڑے ہو جائیں۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں اس کے بعد ہم دونوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں صرف ایک ہی آیت کو دہرانا شروع کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضورؐ روتے جاتے تھے۔ بہر حال حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے اسی آیت کو اتنی بار دہرایا کہ صبح کا سپیدہ طلوع ہو گیا۔ اور لوگوں کے ساتھ آپ نے نمازِ فجر ادا کی۔ ہم اور ابنِ مسعود اس کے بعد جب آپس میں ملے تو میں نے ابنِ مسعود سے کہا کہ حضورؐ سے پوچھتے کیوں نہیں کہ رات آپ کیا شغل فرما رہے تھے۔ عبداللہ بن مسعود نے ہاتھ ہلا کر کہا نہیں بھائی میں کوئی بات حضورؐ سے خود نہیں عرض کر سکتا، جب تک آپ ہی اس کے متعلق کچھ نہ فرمائیں تب میں نے خود جرأت کی (اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابوذر کو بارگاہِ نبوت میں اس سے زیادہ فراخیاں حاصل تھیں کہ جس طبقہ سے آپ کا تعلق تھا، ان معاملات میں ان کے ساتھ عموماً نرمی ہی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔)

بہر حال دل مضبوط کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جیسا کہ ان لوگوں کے متعلق مشہور ہے کہ "درکارِ خویش ہشیار" اس سے نہیں چوکتے۔ بڑے مزے سے تمہید اٹھاتے ہوئے عرض کرنے لگے۔

بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ قُمْتَ بِآيَةٍ   آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں

مِنَ الْقُرْاٰنِ وَمَعَكَ الْقُرْاٰنُ ۔۔۔ آپ نے ایک ہی آیت کے ساتھ نماز پڑھی۔ حالاں کہ آپ کو تو پورا قرآن یاد ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں اور کتنے معصومانہ لہجے میں فرماتے ہیں۔

لَوْفَعَلَ هٰذَا بَعْضُنَا ۔۔۔ اگر ہم میں سے کوئی اور آدمی یہ کرتا

لَجَادَلْنَا عَلَيْهِ ۔۔۔ تو ہم اس سے بگڑ جاتے۔

اس کے بعد جواب میں امتِ مرحومہ کے رؤف ورحیم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا خدا جانے کتنوں کو دیوانہ بنانے کے لئے کافی ہے، ارشاد ہوا:

" اپنی اُمّت کے لئے گڑگڑا رہا تھا "

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان کھل چکی تھی، اب کیا رکتی۔ سوال آگے بڑھا، پوچھنے لگے کہ:

" تو پھر آپ کو کیا جواب ملا؟ اور حق تعالیٰ نے کیا فرمایا "

گناہگاروں کے شفیع، آقائے کرم گستر نے اس کے جواب میں فرمایا۔

وہ مجھے جواب ملا کہ اگر اس کی بھنک بھی لوگوں کو مل جائیں تو لوگ نماز چھوڑ بیٹھیں[1]"

---

[1] بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ میں اپنی امت کی شفاعت کر رہا تھا اور میری امت میں جو شرک سے بچا رہا وہ اس شفاعت کو پاکر رہے گا یعنی هِىَ نَائِلَةٌ لِمَنْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا ۔ ص ۲ ج ۲

ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت دوسرے حال میں تھے۔ جوش سے سینہ معمور تھا، عالمِ مستی میں بولے:

"تو کیا دنیا کو یہ بشارت سنادی جائے۔"

رحمۃ للعالمین کا سمندر بھی اپنی انتہائی مد اور چڑھائی پر تھا۔ ارشاد ہوا کہ ہاں کیوں نہیں۔

ہاں کی آواز میں بلا کی طاقت تھی، سُنناتھا کہ ابو ذر اٹھے اور اس مژدے کے اعلانِ عام کے لئے چل پڑے۔ کہتے ہیں کہ جاہی رہا تھا اور اتنی دور پہنچا تھا جہاں تک کسی پتھر پھینکنے والے کا پتھر پہنچ سکتا ہے کہ اتنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور دربارِ رسالت میں عرض کرنے لگے۔

اِنَّكَ اِنْ تَبْعَثْ اِلَى النَّاسِ	اگر لوگوں کے پاس یہ بشارت بھیجی جائے گی
بِهٰذِهٖ تَكِلُوْا عَنِ الْعِبَادَةِ	تو وہ عبادت سے روگرداں ہو جائیں گے۔

اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی کہ "واپس ہو جاؤ"، وہ واپس ہو گئے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قصہ کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ وہ آیت جس کی حضور صلے اللہ علیہ وسلم رات بھر تکرار فرماتے رہے وہ یہ تھی۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ	اگر آپ انھیں سزا دیں گے تو یہ آپکے بندے ہیں
وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ	اور اگر بخش دیں گے تو آپ سب پر غالب
اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[1]	ہیں (کون آپ سے پوچھنے والا ہے) اور حکمت دینے والے ہیں)۔

اگرچہ قرآن میں یہ آیت حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی ادا کی گئی ہے لیکن مسیح اگر تین خداؤں کے ماننے والوں کے لئے یہ عرض داشت بارگاہ ربّ العزت میں پیش کرسکتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اللہ احد کی پوجنے والی امت کے متعلق رحمۃ اللعالمین صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس کے پیش کرنے سے کیوں جھجکتے۔

بہرحال حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس بشارت کی تبلیغ سے روک دیئے گئے۔ لیکن خود ان تک تو یہ بشارت پہنچ چکی تھی، پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا؛ خود ہی فرماتے ہیں، اور غالباً اس واقعہ کے بعد فرماتے ہیں:

"رمضان کا آخری عشرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہو گئے۔ بائیسویں کی عصر کی نماز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ ہوئے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:"

"ہم آج کی رات اِن شاء اللہ قیام کریں گے، پھر تم میں جس کا جی چاہے وہ میرے ساتھ قیام کرسکتا ہے" اور یہ تیئیسویں کی شب تھی۔ نمازِ عشاء کے بعد حضور نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی، یہاں تک کہ رات کا ایک تہائی حصّہ گزر گیا۔ اس وقت تشریف لے گئے۔ پھر چوبیس کی رات آئی، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز ادا نہیں کی۔ چوبیس کی نمازِ عصر کے بعد پھر ارشاد فرمایا، ان شاء اللہ میں رات قیام کروں گا، تم میں سے جس کا جی چاہے وہ قیام کرسکتا ہے۔ یہ پچیس کی

(بقیہ حاشیہ صہ کا) نہ صرف قیام ہی میں بلکہ رکوع و سجود، الغرض نماز کی ہر ہیئت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی آیت کو دہرا رہے تھے۔ صہ ج ۲۔

رات تھی۔ تہائی رات گزرے یہ نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی رہی۔ چھبیس کی کی رات آئی تو آپؐ نے کچھ نہیں فرمایا، لیکن اس چھبیسویں کی عصر کے بعد پھر فرمایا کہ آج شب کو بھی ان شاء اللہ میں قیام کروں گا، یعنی ستائیسویں کی شب میں آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جس کا جی چاہے وہ قیام کرسکتا ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اب کے

فتجدّدنا للقیام۔	بڑی مضبوطی کے ساتھ ہم لوگ قیام کے لئے تیار ہوئے۔

⁂ ⁂

فرماتے ہیں کہ آج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے دو تہائی حصہ تک قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ نماز سے فارغ ہو کر اپنے اس قبہ میں تشریف لے گئے، جو مسجد ہی میں آپؐ کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ میں نے جا کر عرض کیا:

كُنَّا لَقَدْ طَمِعْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	یا رسول اللہ ہم لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ
اَنْ تَقُوْمَ بِنَا حَتّٰى تَصْبِحَ	آپؐ آج کی رات صبح تک ہم لوگوں کیساتھ قیام فرمائیں گے۔

⁂ ⁂

اگرچہ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذرؓ کی یہ تشفی فرمادی:

يَا اَبَا ذَرٍّ اِنَّكَ اِذَا صَلَّيْتَ	ابو ذر جب تم اپنے امام کے ساتھ اس
مَعَ اِمَامِكَ وَانْصَرَفْتَ اِذَا	نماز (عشاء) کو ادا کرلو اور امام کے ساتھ
انْصَرَفَ كُتِبَ لَكَ قُنُوْتُ	تم بھی نماز سے فراغت حاصل کرلو تو تمہارے

لَیۡلَتُہٗ — لے شب بھر کے قنوت (قیام اللیل) کا ثواب لکھا گیا۔

لیکن مجھے تو صرف یہ دکھانا ہے، وہ جو عبادتِ حق کو اپنے وجود کا نصبُ العین اور قیمت قرار دے کر، جبراً نہیں بلکہ شکراً اپنی تمام عاجزانہ اعترافات کے ساتھ مالک کے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا اثر یقیناً ان اثرات سے مختلف ہوتا ہے اور ہونا چاہئے جو ان پر مرتب ہو سکتے ہیں، جن کی نارسائیوں نے اب تک ان کو اس کے پہنچنے کا موقع نہیں دیا کہ جب سب کچھ انسان کے لئے ہے تو آخر انسانی وجود بھی اپنے اندر کوئی مقصد رکھتا ہے یا نہیں۔ اور آہ! کہ رب کو بھلا دینے والوں میں کیا کیجئے کہ ان ہی کی زیادہ کثرت ہے جنھوں نے خود اپنے آپ کو اپنے حافظہ سے باہر کر دیا ہے۔ وہ عالم کی ہر چیز سے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ کس لئے ہے، ہوا کس لئے ہے، پانی کس لئے ہے، برق کس لئے ہے، اور اسٹیم کس لئے ہے۔ لیکن افسوس ہے ان پر کہ انھوں نے کبھی اپنے متعلق نہیں نہیں پوچھا کہ خود ہم کس لئے ہیں۔ پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر اس بشارت کی بھنک ہی اس کو مل جائے گی تو وہ عبادت ترک کر بیٹھتے ہیں یا جس کی تصدیق حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی کہ وہ عبادت سے پھر جائیں گے یقیناً اس کا تعلق ان ہی لوگوں سے ہے جو انسانی ہستی کو سلسلۂ موجودات کی ایک سُدیٰ اور عبث ترین ہستی ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ ورنہ آپ نے دیکھا کہ ابوذرؓ ان بشارتوں کو سنتے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی کہتے

جاتے ہیں کہ ہماری آرزو تو یہ تھی کہ آج حضورؐ ہم لوگوں کے ساتھ صبح تک قیام فرماتے
یہ ہے جذب کی وہ حقیقی قسم جس میں انسان کھنچتا ہے اپنی تمام آرزوؤں اور خواہشوں
سے کھنچتا ہے اور اس طرح کھنچتا ہے کہ بجز مرکز وجود کے اس کے لئے پھر کہیں
چین نہیں اور یہ معنٰی ہیں مجذوب کے۔ سب کھنچ کر صرف ایک ہی کے اندر
جذب ہو کر رہ گیا۔ فَرَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَرَضُوْعَنْہُ۔

بہر حال نماز آپ سے کبھی نہیں چھوٹی اور نہ فرائض میں کسی قسم کی بے اعتدالی
آپ سے منقول ہے۔ ہاں نوافل میں بھی کبھی جوش و سرمستی غلبۂ حال کے وقت
بعض ایسی باتیں آپ سے سرزد ہو جاتی تھیں، جہاں جذب کا رنگ آپکو تمام
صحابہ سے ممتاز کر دیتا تھا۔

زید بن مُطرف کہتے ہیں کہ ہم ایک قریشی حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے
میں ایک شخص آیا اور نمازیں پڑھنا شروع کیں۔ میں نے جو غور کیا تو دیکھتا ہوں
کہ وہ کھڑا ہوا پھر رکوع میں گیا اور سجدہ کر کے کھڑا ہو گیا، الغرض وہ صرف رکوع
سجدے کر رہا ہے لیکن قعدہ نہیں کرتا (چونکہ دوسری رکعت پر بیٹھنا ضروری ہے)
اس لئے زید نے کہا کہ یہ کون شخص ہے؟ اس کو اس کی بھی خبر نہیں کہ جفت
رکعتوں پر سلام پھیرنا چاہیے یا طاق پر۔

لوگوں نے کہا۔ "کہ بے چارہ اگر غلط پڑھ رہا ہے تو تم جا کر سمجھا دو۔ زید
اٹھے قریب آئے اور کہا:

"خدا کے بندے! آپ کو اس کی بھی خبر ہے یا نہیں کہ کہاں پر سلام
پھیرنا چاہیے اور کہاں بیٹھنا چاہیے، جفت پر یا طاق پر۔"

اس شخص نے کہا:
"کہ مجھ کو اگر خبر نہیں ہے تو خدا کو خبر ہے اور میں ان باتوں کو نہیں جانتا۔ میں نے اپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تین کام کر دیتے ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ حساب وکتاب سے ہم واقف نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی یہ تعریف کی ہے، پس ہم سجدے کرتے رہتے ہیں۔ رہا لگ کہ یہ سمجھنا کہ اب ہم اتنے کہ حق دار ہو گئے، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

زید کو آپ کی اس قسم کی باتوں سے حیرت ہوئی پوچھنے لگے کہ آپ ہیں کون صاحب؟

حضرت نے فرمایا، ابوذر۔
یہ سننا تھا کہ زید کے ہوش اڑ گئے اور اپنی مجلس کے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے:
تم لوگ نہایت بُرے ساتھی ہو، مجھے تم نے اس لئے بھیجا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو تعلیم دوں۔"
الغرض کبھی کبھی نوافل میں حضرت ابوذرؓ سے اس قسم کی بے ضابطگیاں ضرور ثابت ہیں، اگرچہ وہ اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں تاہم حضرت ابوذرؓ

کا جو حال تھا اس کو پیش نظر رکھنے کے بعد علماءِ شرع بھی اس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اور آج بھی کسی کا وہی حال ہو جائے جو ابوذرؓ کا تھا اور پھر ایسے شخص سے نوافل وغیرہ میں اس قسم کی باتیں سرزد ہوں تو ان پر نکیر نہیں کرنا چاہئے اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ کی زندگی میں جس نوعیت کے واقعات ملتے ہیں اگر ان کی توجیہ اس بنیاد پر نہ کی جائے، جو میرا خیال ہے تو پھر شرعاً اس کی تصحیح کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

جمعہ کی نماز یا خطبہ میں کلام نہ صرف نماز بلکہ جمعہ کے خطبہ میں بھی کلام کرنا ناجائز ہے اور فقط کلام ہی نہیں بلکہ جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز کے متعلق ایک مشہور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم میں کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اس کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ رحمتِ الٰہی اس کے سامنے ہے پھر کنکری تک نہ ہلاوے[1]"

اسی طرح خطبہ جمعہ کے متعلق بھی حدیثوں میں آیا ہے کہ آدمی کنکریوں سے بھی نہ کھیلے! لیکن سنیئے! حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال سنیئے، ابتدائے اسلام کا واقعہ نہیں ہے، جس وقت نماز وغیرہ میں کلام اور حرکت کی ایک حد تک اجازت تھی، بلکہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ سورۂ برات جو قرآن مجید کی آخری سورتوں میں ہے اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس کے نازل ہونے کی بھی اطلاع نہیں ہوئی تھی، گویا ان ہی دنوں میں اتری تھی۔ بہرحال اسی زمانہ کا یہ عجیب واقعہ ہے جسے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

---

[1] مسند احمد ۱۲

سے بیہقی نے اپنے سنن میں روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جمعہ کا دن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت خطبہ پڑھ رہے تھے۔ میں مسجد میں داخل ہوا تھا، اور اُبّی بن کعبؓ کے پاس بیٹھ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ برارت پڑھنی شروع کی روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ہی میں یہ سورت پڑھنی شروع کی یا نماز میں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُبیّ سے پوچھا کہ یہ سورت کب نازل ہوئی ہے؟ لیکن وہ خاموش رہے اور کچھ نہ بولے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اُبیّ سے پوچھا کہ تم نے بھائی مجھے جواب کیوں نہیں دیا۔ اُبیّ نے اس کے جواب میں کہا:

مَالَكَ مِنْ صَلٰوتِكَ اِلَّا مَا لَغَوْتَ۔ — تم کو اپنی نماز سے لغوگوئی کے سوا کچھ نہ ملا۔

حضرت اُبیّ کی زبان سے یہ فتویٰ سنتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے:

كُنْتُ بِجَنْبِ اُبَيٍّ وَاَنْتَ تَقْرَءُ بَرَاءَةً فَسَاَلْتُهُ مَتٰى نَزَلَتْ فَتَجَهَّمَنِيْ وَلَمْ يُكَلِّمْنِيْ ثُمَّ قَالَ مَالَكَ مِنْ صَلَاتِكَ اِلَّا مَا لَغَوْتَ۔

میں ابی کے پہلو میں تھا، آپؐ نے سورۂ برارت پڑھی، میں نے اُبیّ سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی؟ تو مجھ سے منہ کھڑ بالیا اور مجھ سے نہ بولے، پھر نماز کے بعد کہا کہ تم کو اپنی نماز سے لغوگوئی کے سوا اور کچھ نہ ملا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب سن کر صرف اس قدر فرمایا:

صَدَقَ اُبَیّ (اُبی نے سچ کہا)

سوال یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کی نماز میں اُسوقت مسجد میں آتے ہیں، جب خطبہ شروع ہو سکتا ہے، حالاں کہ تبکیر یعنی سویرے آنے کی جمعہ کی نماز میں سخت تاکید ہے اور عموماً عہدِ نبوّت بلکہ عہدِ خلافت راشدہ میں بھی تاخیر کرنے والوں سے بازپُرس ہوتی تھی۔ اس کے سوا اگرچہ قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوذرؓ کی یہ گفتگو نماز میں ہوئی، لیکن حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا:

مَالَکَ مِنْ صَلوٰتِکَ اِلَّا مَا لَغَوْتَ (تم کو اپنی نماز سے صرف لغوگوئی ملی۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لغوگوئی نماز میں واقع ہوئی تھی۔ نیز حضرت ابوذرؓ کا یہ کہنا کہ کُنْتُ بِجَنْبِ اُبَیّ (میں ابی کے پہلو میں تھا) بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نماز ہی کا ہے اور نماز کا نہ بھی ہو تو خطبہ میں ہونا تو اس کا قطعی ہے اور کلام کے عدمِ جواز کا حکم جس طرح نماز میں ہے خطبہ میں بھی ہے۔ خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازِ جمعہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے مَالَمْ یَلْغُ (لغوگوئی سے پرہیز کرتا رہے) کی قید لگاتے تھے۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام امور کے مرتکب ہوئے۔ اور بارگاہِ نبوت سے اگرچہ حضرت اُبیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوی کی توثیق ہوئی، لیکن ابوذرؓ کو بھی کچھ سمجھایا گیا۔ کوئی سرزنش کی گئی۔ کچھ پوچھا گیا؟ روایت اس سے ساکت ہے ایسی صورت میں بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے، کہ ابوذرؓ جس حال میں تھے اس میں ان امور کی گنجائش تھی۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

امامت کے لئے پیش قدمی

قطع نظر اس کے کہ شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ کسی دوسرے کی مسجد یا دوسروں کے گھر میں بغیر اس مسجد کے امام اور مالک خانہ کی اجازت کے امامت کیلئے خود پیش قدمی نہ کرنی چاہیے، یوں بھی آدمی دوسرے کے گھر میں امامت سے شرماتا ہے، خود ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ امامت کرنے کا خواہ مخواہ شوق نہ تھا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ جب ربذہ جس کا ذکر آئندہ آتا ہے پہنچے۔ وہ ایک معمولی جگہ تھی۔ اونٹوں کا چرانے والا ایک حبشی غلام چند لوگوں کیساتھ نماز پڑھایا کرتا تھا۔ حسبِ دستور وہی امامت کے لئے آگے بڑھا لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر پیچھے ہٹا، اور اشارہ کیا کہ آپ آگے بڑھیں۔ لیکن آپ نے فرمایا کَمَا اَنْتَ جس طرح کھڑے ہو کھڑے رہو۔ یعنی امامت کراؤ۔

ایک اونٹ چرانے والے کے ساتھ آپ کا یہ حال ہے، اب عالمِ وارفتگی کا ایک واقعہ سنیے ـــــ انصاریوں کے ایک آزاد کردہ غلام ابوسعید نامی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ کی دعوت کی نماز کا وقت آیا تو مالکِ خانہ کے بغیر اجازت کے بڑے بڑے ...... صحابیوں کے ہوتے ہوئے، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ہی امامت کے لئے آگے بڑھ گئے، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ٹوک دیا۔ فرمایا ابوذر! پیچھے ہو جاؤ یعنی مالکِ خانہ کی اجازت کے بغیر تم خود کیسے

آگئے۔ اب ہوش آیا، پلٹ کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھتے ہیں۔ اَکَذَاکَ ابْنُ مَسْعُوْد، کیا مسئلہ یوں ہی ہے ابن مسعود؟ انھوں نے فرمایا ہاں سنتے ہی آپ پیچھے ہو گئے۔ (بیہقی ص۱۲ ج ۲)

کیا حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان حالات کی یہ تاویل نہ کی جائے تو یہ کیا مان لیا جائے کہ وہ بھی اس زمانہ کے ان عالموں میں تھے، جن کو خواہ مخواہ امامت کا شوق ہوتا ہے۔ ہاں قصداً ہوش و حواس رکھتے ہوئے اگر کوئی ان باتوں کا ارتکاب کرے گا، خواہ نقل ہی کیوں نہ ہو تو یقیناً ناجائز بلکہ دین کے ساتھ تلاعب ولہو کے مترادف ہے۔

الحاصل ان چند واقعات کے درج کرنے سے میرا مقصود صرف اسقدر ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میں نے جو کچھ سمجھا ہے دیکھنے والے غور کریں کہ آیا اس کا کوئی منشا ہے بھی یا نہیں۔

اور اسی لئے میں اپنے دعویٰ کو زیادہ موثق و وزن دار بنانے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت بھی اسی کے تحت میں درج کئے دیتا ہوں اس سے آپ کی علمی وسعت و تبحّر کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ آپ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیسا خیال فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

وَعٰى عِلْمًا عَجَزَ فِيْهِ۔ انھوں نے ایک علم کو محفوظ کیا جس میں عاجز آگئے۔

✣ ✣ ✣

عموماً علمائے حدیث اس جملے کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد خود متحیر ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے[1]

ابنِ سعد نے نقل کیا ہے کہ بعضوں کا خیال ہے "کہ جو کچھ ان کے پاس تھا اس کو ظاہر نہ کر سکے"۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ "جس علم کو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ حاصل نہ کر سکے"۔ واللہ اعلم۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا واقعی مقصد کیا ہے؟

لیکن میرے نزدیک تو اس جملہ کا مطلب بالکل کھلا ہوا ہے۔ اور ان شاء اللہ وہ واقعیت سے بہت زیادہ قریب ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ "صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سیکھتے تھے عموماً وہ علوم ایسے ہوتے تھے جن کو براہِ راست عمل سے تعلق تھا، کیونکہ اعتقادات کے باب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اجمال و ایمان بالغیب کے مضبوط و محفوظ اصول کو پیشِ نظر رکھا، جو کچھ بھی تفصیل کی وہ محض عملیات کی کی، ماسوا اس کے عام طور پر عقائد کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وہ صرف ماننے اور ایمان لانے کی چیزیں ہیں۔ عمل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے میرے نزدیک یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ظاہر ہے اعمال کی پابندی یقیناً ایک بڑی آزمائش اور شریعت کا اہم مطالبہ ہے، لیکن عقائدِ صحیحہ جن کو ہم علومِ صحیحہ بھی کہہ سکتے ہیں ان کو اپنے اندرونی احساسات یقین و اذعان کے ساتھ وابستہ کرنا اور انکے

---

[1] حتیٰ کہ شیخ ابوعمر بن عبدالبر کو جب عجز فیہ کی کوئی صحیح توجیہ معلوم نہ ہو سکی تو انھوں نے استیعاب میں عجز فیہ کے لفظ کو عجز عنہ سے بدل دیا۔ ممکن ہے نسخ یا طباعت کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہو گیا ہو، جو عام طور سے پیدا ہو جاتا ہے ۱۲، استیعاب ج ۲ مطبوعہ حیدر آباد۔

مقابل جو باطل اور کاذب معلوم ہوں ان کو مٹانا، جہاں تک تجربہ کا تعلق ہے اعمالِ جوارح سے یہ زیادہ مشکل ہے۔ بہرحال عقائد ہوں یا اعمال، عمل کی دونوں میں ضرورت ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قبول و اثر پذیری کا مادہ جتنا تیز تھا وہ تم پڑھ چکے۔ اور واقعات سے خود بھی اندازہ لگا سکتے ہو۔ یہی وجہ ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جو کچھ سنتے تھے ٹھیک اسی طرح اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے، بلا کسی چون وچرا کے جس طرح آپ سے سنتے، کوشش کرتے کہ اسی طرح ہم اسے ادا بھی کردیں۔ وہ چاہتے تھے کہ میرا عملی نقشہ پورے طور سے منطبق ہو جائے۔

اس باب میں ان کو اس قدر غلو اور تشدّد تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی قوت بھی اگر اس معاملے میں آڑے آجاتی تو آپ کو اس کی بالکل بھی پروا نہ ہوتی تھی۔ واعظانہ مشورے، ناصحانہ پند و تذکیر مرتے دم تک ان کو اس مرکزِ ثقل سے ہلا نہ سکی، حتیٰ کہ اپنے اسی امتیاز پر آپ کبھی ناز بھی کرتے ہوئے فرماتے کہ:

"لوگو! میں قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب رہوں گا، کیوں کہ میں نے سنا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں سب سے زیادہ قریب قیامت کے دن مجھ سے وہ شخص ہوگا جو دنیا سے اسی حال میں رخصت ہو، جس حال میں میں اسے چھوڑ کر جاؤں، اور

خدا کی قسم اب تم میں کوئی ایسا نہیں رہا جو اپنی پہلی حالت پر قائم ہو اور اس کے ساتھ کوئی نئی چیز نہ لپٹ گئی ہو بجز میرے۔[۱]

اور یہ دعویٰ ان کا صرف ذاتی نہ تھا، بلکہ سید العالم رسولِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تصدیق کی تھی۔ طبقات میں ہے کہ ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کون ہے جو مجھ سے اسی طرح آکر ملے گا۔ جیسا کہ میں اسے چھوڑ جاؤں گا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "میں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی زبان نے اس کے جواب میں فرمایا۔

صَدَقْتَ — سچ کہتے ہیں (یعنی تم اس حال میں مروگے، جس حال میں تمھیں چھوڑ جاؤنگا

٭ ٭ ٭

خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فرمایا کرتے:

"اب دنیا میں کوئی نہیں رہا، جو خدا کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کی طعن وشناعت سے نہ ڈرتا ہو۔ سوائے ابوذر رضؓ کے۔"

اور اخیر میں خود چھاتی پیٹتے اور فرماتے:

"حتیٰ کہ میں اپنے نفس کو مستثنیٰ نہیں کرتا۔"

الغرض "عجز فیہ" کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے علم اور معلومات سے مغلوب و عاجز آگئے تھے، جو کچھ جانتے تھے اس کے خلاف کرنے پر

---

[۱] طبقات ابن سعد۔ مسند احمد۔ ۱۲

آمادہ وقادر نہیں رہتے تھے۔ تعجب ہے کہ کرم اللہ وجہہ تو
عَجَزَ فِیْہِ علم میں عاجز آگئے۔
فرماتے ہیں اور بعض شراح حدیث اسے عجز عنہ سمجھ کر اپنے خود ساختہ
معانی کو اس پر خواہ مخواہ منطبق کرنا چاہتے ہیں، اور بعض نے تو یہ کیا کہ جب
اس لفظ پر ان کا مطلب چسپاں نہ ہوا تو انہوں نے فِی کے لفظ کو "عَنْ"
سے بدل دیا جائے، جس کا میں حاشیہ میں ذکر آیا ہوں۔

اور یہ بالکل سچ ہے کہ تعمیل ارشادات نبویہ میں جو نمونہ حضرت ابوذرؓ نے
دنیا کے آگے پیش کیا، اس سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے
علم سے بالکل مقہور و مغلوب ہو رہے تھے۔

دنیا کی حقارت، یہاں کے مال و متاع کی حقیقتوں کے متعلق حضرت
ابوذرؓ کو جو کچھ کہا گیا تھا، جنہیں مختصر طور پر میں اوپر نقل کر چکا ہوں۔ اس کا
مقتضیٰ تھا کہ وہ ایک خشک زاہد صحرائی بن کر زندگی گزار دیتے نہ شادی
کرتے نہ بیاہ، نہ آبادیوں میں رہتے نہ اور کچھ سامان کرتے۔

میں لکھ چکا ہوں کہ اسی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی
سکھایا تھا کہ دنیا میں رہ کر زاہد بننے کی کوشش کرو۔

ع در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق

گویا یہ نظارہ خدا کے آگے پیش کرو۔ ان دونوں پلّوں کو مساوی طور پر
قائم کر کے دنیا میں رہنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ دشوار گزار راستہ
اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ابھی گزر چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوذرؓ سے یہ بھی

فرماتے ہیں کہ اگر احد کا پہاڑ سونا ہو جائے تو اس کی وقعت میرے سامنے اس سے زیادہ نہیں کہ تین دن میں سب کو لٹا دوں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی جاہ وجلال کی طرف مطلق توجہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اسی کے مقابلہ میں حضرت ابو ذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہی کے سامنے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) عکاف صحابی سے پوچھتے ہیں، کیا تمھارے پاس بیوی ہے ؟

عکاف نے کہا "جی نہیں"

آپ نے فرمایا، کہ اگر بیوی نہیں تو کوئی کنیز اور لونڈی (یعنی شرعی حرم) بھی ہے ؟ عکاف نے کہا کہ وہ بھی نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ تم فارغ البال صاحب فراخی نہیں ہو ؟

عکاف نے کہا، جی میں دنیا کی جانب سے مطمئن اور خوش ہوں۔ (یعنی مال دار ہوں)

آپ نے فرمایا کہ تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو، اگر تم نصرانی ہوتے تو ان کے راہبوں میں شمار کیے جاتے۔ نکاح میرے طریقہ میں داخل ہے، تم میں سب سے زیادہ بد وہ لوگ ہیں جو مجرد اور کنوارے ہیں۔ سب سے ذلیل ترین کینہ وہ مرد ہے، جو بحالتِ تجرد زندگی گزار کر مرجاتے ہیں۔

کیا تم لوگ شیطان کے تختۂ مشق بننا چاہتے ہو ؟ شیطان کا وہ ہتھیار جو اچھے لوگوں میں بآسانی اتر جاتا ہے، صرف عورت ہے، ہاں جنھوں نے شادیاں کیں، وہ لوگ پاک دل والے ہیں، سیاہ اعمال سے دور اور

کنارہ ہیں۔

عکاف، تجھ پر افسوس ہے ایسی عورتیں تھیں، جنھوں نے ایوبؑ۔ یوسفؑ، داوٗد، کرسفؒ کے ساتھ کیا کیا، بشر بن عطیہ بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے پوچھا کہ حضورؐ یہ کرسف کون شخص ہے، آپؐ نے فرمایا کہ کسی گزشتہ زمانہ میں اس نام کا ایک عابد تھا جو کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر تین سو برس تک عبادت میں مصروف رہا وہ دن بھر روزے رکھتا تھا اور رات بھر نمازیں پڑھتا۔

آخر ایک دن کسی عورت کے عشق میں مبتلا ہوا اور ساری ریاضتوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے دیوانہ ہوگیا۔ بہر حال اخیر میں اس کی حالت درست ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف پھر متوجہ ہوا۔ خداوند تعالیٰ نے اس کے تصور سے درگزر کیا۔

اس کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عکاف کی طرف پھر متوجہ ہوئے اور سمجھانا شروع کیا۔

"عکاف! تجھ پر افسوس! نکاح کر! ورنہ تو ہمیشہ مذبذب رہے گا۔
یعنی طمانیت وسکینت تجھے حاصل نہیں ہو سکتی۔"

عکاف نے اس کے بعد درخواست کی کہ حضورؐ تو آپ ہی میرا عقد جس سے

لہ یعنی عورتوں کی وجہ سے ان لوگوں کو بعض فتنوں میں مبتلا ہونا پڑا جس کی تفصیل کتبِ تفسیر میں موجود ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ انبیاءِ معصومین کسی حرام فعل کے معاذ اللہ مرتکب ہوئے۔

چاہیں کردیں۔ آپ نے فرمایا کہ کریمہ بنتِ کلثوم حمیری سے میں نے تیرا نکاح کردیا
اس حدیث سے نکاح کا مسئلہ جس قدر اہم ہوجاتا ہے۔ اسے کون نہیں
سمجھتا اور شادی کے بعد دنیاوی الجھنوں کا جو طوفان امنڈتا ہے آج اس سے
کون واقف نہیں۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان نبوی علوم نے اسی طرح عاجز و لاچار
بنادیا تھا کہ انھوں نے یہ بھی کیا اور وہ بھی کیا۔ غایت احتیاط کے ساتھ نباہ کر ایک
عجیب و غریب قوتِ عملیہ کا ثبوت انھوں نے پیش فرمایا۔

آپ کا اپنی بیوی کیساتھ برتاؤ

مثلاً تم پڑھ چکے ہو کہ آپ میں مجذوبیت بھی
تھی وارفتگی بھی، استغراق بھی تھا، سب کچھ
تھا، مگر باوجود ان تمام باتوں کے آپ ہمیشہ ایک عورت اپنے پاس رکھتے تھے
کسی معمولی سفر میں بھی جاتے تو عموماً آپکی بیوی ہمراہ ہوتیں اور اس میں آپ محض
مجبور و لاچار تھے۔

آخر عکاف رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا تم سمجھ سکتے ہو کہ
ابوذر رضی اللہ عنہ کے دل و دماغ پر اس کا کیا اثر ہوا ہوگا جس قسم کے تسلیمی جذبات حضرت
ابوذر رضی اللہ عنہ کے سینے میں موجزن تھے۔ حق تو یہ ہے ان کو دیکھتے ہوئے پھر اس
فعل پر کچھ تعجب نہیں ہوتا۔

الغرض ان وجوہ سے تو آپ نکاح کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے مگر
دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ آپ کا برتاؤ کس قسم کا تھا۔ قاعدہ

[1] مسند احمد ۱۲

ہے کہ جب عورت انسان کے گھر آتی ہے تو خواہ مخواہ فطرۃً آدمی کے مُردہ احساسات زندہ ہو جاتے ہیں۔ کسی قسم کا شخص ہو لیکن اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اچھے کپڑے پہنائے، عمدہ زیوروں سے آراستہ کر کے اپنی آنکھیں سینکے، عطر اور پھول سے ہمیشہ اس کے جامہ و بدن کو معطر رکھے، یہ کرے وہ کرے۔ الغرض قدرتاً اس قسم کے خیالات اوّلاً تو خود ہی دماغ میں ابھرتے ہیں پھر نئی نویلی دلہنوں کی فرمائشوں کی بدولت یہ کریلا اور نیم چڑھ جاتا ہے اور اس کا آخری انجام اکثر یہی ہوا ہے کہ انسان اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے ہر ایک قسم کے وسائل و ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور آہ! کہ جس فعل کو وہ کبھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے کرنے پر نہ صرف آمادہ بلکہ بسا اوقات کرگزرتا ہے۔ یہ ایک کاری سحر، چلتا ہوا جادو ہے، جس کے بعد کم روحیں نسوانی منتروں کے ہوش رُبا تاثیروں سے نجات پا سکتی ہیں۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ عاجزی کو دیکھو! اندازہ کرو کہ نبوی احکام و تعلیموں نے اس کو اپنا کس قدر مغلوب و مقہور بنا رکھا تھا۔ وہ نکاح بھی کرتے ہیں، اور جب ان کی بیوی صاحبہ فرمائش کرتی ہیں تو آپ گھر سے نکل کر مجمع عام میں فرماتے ہیں:

"تم لوگ اس کالی کلوٹی کو دیکھتے ہو، ؟ مجھ سے کہتی ہے کہ عراق جاؤ اور جب میں جاؤں گا تو مسلمان میری طرف روپے پیسے لے کر جھکیں گے، لیکن ہم کیا کریں ہمارے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا ہے کہ پل صراط کے قریب ایک راستہ ہے، جس پر

پاؤں پھسل جاتے ہیں۔ اس پر ہلکا پھلکا چلوں۔ یہی ہمارے لئے
بہتر ہے، بہ نسبت اس کے رُوپئے اور پیسوں کے بوجھ میں لدا ہوا
گرانبار ہو کر اُسے عبور کر لوں لے "

صرف اس قدر کہہ کر آپ ان فرمائشوں کو ٹال دیتے، جو کچھ حلال اور پاکیزہ طریقہ سے آپ کے پاس آتا تھا، وہی دے دیتے اس کے بعد نہ ان کی فرمائشوں کی پرواکرتے، نہ اپنی نفسانی خواہشوں سے متاثر ہوتے کہ یہاں نفس باقی ہی کب تھا، وہ تو شادی بھی نہ کرتے لیکن عکاف کی مجلس کی داستان نے آپ کو مجبور و معذور کر دیا۔

آپؓ کی بیوی صاحبہ کی حالت

یہی وجہ تھی کہ آپ کو اپنے حرم محترمہ کی زیبائش و آرائش کا کبھی خیال بھی پیدا نہ ہوا، اوّلاً آپ کے نکاح کے لئے صرف عورت شرط تھی، اس سے بالکل بحث نہ تھی کہ وہ کیسی ہو، کس رنگ کی ہو وغیرہ وغیرہ۔

مؤرخین جہاں آپ کی بیوی کا حال لکھتے ہیں، تو ان کی توصیف ہمیشہ ان لفظوں میں کی جاتی ہے:۔

تَحْتَهٗ اِمْرَاَةٌ سَحْمَاءُ — حضرت ابوذر کے ساتھ ایک کالی عورت رہتی تھی۔

عبداللہ بن خراش کعبیؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن آپ سے کہا بھی کہ آپ نے یہ کیا کالی کلوٹی عورت سے نکاح کیا ہے تو فرمانے لگے کہ بھائی جس

لے طبقات ابن سعد ۱۲

بیوی کی وجہ سے لوگ مجھے ذلیل خیال کریں اسے میں ایسی عورت سے بہتر سمجھتا ہوں، جس کی وجہ سے لوگوں میں میری خاص وقعت ہو کہ یہ وہ شخص ہے، جسکی بیوی نہایت پری پیکر اور عالی خاندان ہے۔

ان کی زیب وزینت کا بیان ہے کہ آپ کو انکی زینت وزیبائش بناؤ سنگار سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف نکاح کرلیا تھا، کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت تھی۔ اور نہ صرف اس قدر کہ مرارۃ سمحلہ تھیں بلکہ مورخین

ابواسمار رحبی کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی بیوی کو ایک دفعہ دیکھا تھا۔ نہ ان کے کپڑے خوشبو میں بسے ہوئے تھے اور نہ ان کے بدن پر اور کسی قسم کی زیب وزینت کا نشان تھا[1]۔

زیور میں نے بہت تلاش کیا، لیکن غایت جستجو کے بعد طبقات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بیوی صاحبہ کے کان میں بالیاں پڑی ہوئی تھیں[2] اس کے علاوہ اور کسی زیور کا پتہ نہیں چلتا۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ بالیاں سونے کی تھیں یا چاندی کی یا کسی اور دھات کی۔

الغرض نبوت سے جو علم ان کو ملا تھا، ان سے آپ کی یہی عاجزیاں ہیں جن کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ اکبر، زہد کا تقاضا ہے کہ شادی بھی نہ ہو، در بھی نہ ہو، اور شادی کا تقاضا ہے کہ دنیا کے تمام

---

[1] و [2] طبقات ابن سعد ۱۲۔

سازوسامان ہوں، یہ بھی ہو وہ بھی ہو۔

ابوذر کا کلیجہ تھا کہ ان چٹانوں کو سینے پر رکھا، اور بغیر کسی تشویش کے دونوں کو جمع کر کے دکھا دیا۔

ع برلبِ کوثر بداغِ تشنگی خومی کنم

کا حیرت انگیز نظارہ حضرت ابوذر کی زندگی میں نظر آتا ہے۔

آپ کا گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راہبانہ صحرا نوردیوں سے روکا بھی تھا۔ اور اس دنیا کو ایک گزرگاہ اور راستہ سے تشبیہ دے کر اپنے آپ کو ایک مسافر کی مانند بتایا ہے، جو کسی چھاؤں کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں ارشادوں میں عملی تطبیق اس طرح دی تھی کہ آپ جب تک مدینہ منورہ میں رہے زیادہ تر ادھر اُدھر پڑے رہتے۔ کبھی مسجد میں کبھی صُفّہ میں سو جاتے اور اس کے بعد آپ جہاں کہیں رہے کمبل کے خیمہ میں رہے[1]۔ شام کے غدّار شہر دمشق میں بھی جب تک آپ رہے مشتِ صوف کے جھونپڑے ہی میں رہے، اپنے بال بچوں کیساتھ اسی قسم کے خیموں میں اپنی زندگی گزار دی، حتیٰ کہ جس مکان میں آپ نے اپنی آخری سانس پوری کی اس وقت بھی دیکھنے والوں نے یہی دیکھا کہ صوف کے معمولی خیمہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش پڑی ہوئی تھی[2]۔ پس اگرچہ وہ

---

[1] طبری کامل وغیرہ ۱۲ [2] طبقات صـ۱۸۴ ۱۲

پہاڑ کھوہ میں نہیں گئے، لیکن شہروں کے وسط میں ہی آپ نے کھوہ بنالیا تھا اور یوں ـــــ ع

ایں طرفہ تماشا بیں لب تشنہ بآب اندر

کے خیالی تصوّر کی واقعی تصویر، اپنی پوری زندگی سے کھینچ کر انھوں نے دکھا دی تھی۔

روپئے پیسے کے متعلق آپکی تدبیر

میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "اے ابوذر! جس سونے اور چاندی پر گرہ لگائی گئی، وہ اس کے مالک کے لئے انگارے ہیں" ادھر تو ارشاد فرمایا جاتا تھا دوسری طرف حکم تھا کہ "بہترین کاموں میں یہ ہے کہ لوگوں کو کثرت سے سلام کیا کرو۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرو اور رات کو نمازیں اس وقت پڑھو جس وقت دنیا کے لوگ سو چکے ہوں" ظاہر ہے کہ مہمان نوازی کے لئے ازبس ضروری ہے کہ انسان کے پاس کچھ پس انداختہ ہو۔[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں فرمانوں میں اس طرح تطبیق دی تھی، کہ آپ کا سالانہ وظیفہ جس وقت بیتُ المال سے ملتا اٹھتے اور اپنی لونڈی کو لے کر سال بھر کا سامان خرید لیتے۔

---

[1] طبری کامل وغیرہ ۱۲ طبقات ص ۱۸۴ ۱۲

اس کے بعد لٹاتے بانٹتے پھر جو کچھ بچ جاتا اس کے پیسے بھنا لیتے۔ لوگ پوچھتے کہ تمام روپوں کو پیسے بنانے کی کیا ضرورت۔ آپ فرماتے کہ چاندی اور سونے کے رکھنے کی مجھے اجازت نہیں' اس لیے میں اسے پیسے بنا لیتا ہوں تاکہ میں اُن لوگوں میں نہ رہوں جن کے لیے حضورؐ نے دھمکیاں ارشاد فرمائی ہیں۔

الغرض آپ اپنی معلومات سے محض مغلوب و مقہور رہتے تھے جو کچھ سنا تھا وہ آپ کو مجبور کر کے اس پر عمل پیرا بناتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ علم کی حکومت فرمائیاں اس طرح اور کسی پر شاید ہوئی ہوں گی۔ امیر کرم اللہ وجہہ نے سچ فرمایا۔ بلاشبہ یہی بھید تھا جس نے آپ کو مجذوب اور بہلول بنا دیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام مباحث پر جو اس وقت تک پیش ہو چکے ہیں۔ غور کرنے کے بعد حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول "عجز فیہ"، کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے اور میرا یہ دعویٰ کہ حضرت کرم اللہ وجہہ نے بھی آپ کی مجذوبیت کی شہادت دی ہے اس سے مراد یہی تھی۔

اخیر میں ہم ان چند خصوصیتوں کو بھی درج کرتے ہیں جو طائفہ مجاذیب کے ساتھ مخصوص ہے اور شیوۂ جذب و مستی کے ساز و سامان میں شمار کیا جاتا ہے۔

ظرافت اس وقت تک ابوذرؓ کے جتنے حالات تم پڑھ چکے ہو' اس سے گمان ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج میں خوش طبعی اور ظرافت کا مادہ موجود نہ تھا حالانکہ مجذوبوں کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ گو بظاہر وہ ہمیشہ ترش رو، چیں بہ جبیں نظر آتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ دنیا نے انہی مجذوبوں کے ان قہقہوں کو بھی ہمیشہ سنا ہے جس کا سلسلہ اگر شروع ہوا تو پھر کبھی نہیں رُکا،

اور ان کی سادگی میں کجی اور کجی میں سادگی کو سموتے ہوئے تو کسی نے نہیں دیکھا غصہ میں مسکراہٹ اور مسکراہٹ میں غصہ اس طبقہ کا خصوصی شیوہ ہے۔

بہرحال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی کبھی یہ حالت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دن آپ کسی مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے فرمانے لگے:

کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص پیش ہوگا، فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ پہلے اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو پیش کرو۔ فرشتے اس کے آگے اس کے چھوٹے گناہوں کی فہرست اس طرح پیش کریں گے کہ تم نے فلاں دن یہ کہا، فلاں دن یہ کہا، وہ بیچارہ اس کا اقرار کرتا جائے گا اور دل میں ڈرے گا کہ دیکھئے جب کبائر کی فہرست پیش کی جائے گی تو کیا ہوگا، فرشتے جب صغائر پوچھ کر فارغ ہو جائیں گے تو آواز آئے گی کہ ہر ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی دیتے چلے جاؤ۔ اس رحیمانہ فرمان کے سنتے ہی وہ شخص غل مچانے لگے گا، شور کرے گا کہ فرشتو، ٹھہرو، ابھی ہمارے پاس اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں، ان کو بھی گن لو۔ میں اس فہرست میں انھیں نہیں دیکھتا۔"

(یعنی ان کے عوض میں بھی مجھے نیکیاں ملنی چاہئیں۔)

حضرت ابوذرؓ اس لفظ پر آ کر ٹھہر جاتے اور فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب اس حدیث کو بیان کرتے تو اس قدر ہنسا کرتے کہ آپؐ کی ڈاڑھیں

کھل جاتیں۔ اس کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی قدر ہنسا کرتے اس کا اندازہ تم خود ہی لگا سکتے ہو خصوصًا جب ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حدیث بیان کرتے وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عام عادت یہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو بھی کر کے دکھاتے، جو حدیث بیان کرتے ہوئے آپؐ کرتے۔

بدبخت عبداللہ بن زیاد، جسے مسلمان ابن زیاد کے نام سے جانتے ہیں جب کوفہ کا امیر ہوا تو اپنے پیش رو گورنروں کے خلاف جماعت کی نماز میں تاخیر کرنے لگا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے عبداللہ بن صامت نے دریافت کیا کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے۔ کیا ہم لوگ بھی اپنی نمازوں کو مکروہ اوقات تک مؤخر کریں؟ عبداللہ بن صامت فرماتے ہیں، یہ سنتے ہی حضرت ابوذرؓ نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمانے لگے:

سنو! میں نے اپنے خلیل (دوست) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تھا کہ ایسی صورت میں کیا کروں گا؟ آنحضرتؐ نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

صَلِّ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِھَا	تم اپنی نماز وقت پر ادا کر لیا کرو۔ اب اگر
فَاِنْ اَدْرَکْتَ فَصَلِّ	ان رہبروں کیساتھ بھی نماز کا موقع آجائے
مَعَھُمْ وَلَا تَقُلْ اِنِّیْ	تو انکے ساتھ بھی پڑھ لیا کرو اور یہ نہ
صَلَّیْتُ فَلَنْ اُصَلِّیْ	کہو کہ میں تو نماز پڑھ چکا ہوں، انکے
مَعَھُمْ۔	ساتھ نہ پڑھوں گا۔

لہ صحاح، خصوصًا ترمذی دیکھئے اور مسند احمد ۱۲۔

ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باب کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں:

"جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے اور جو نہیں جانتے ان کو جاننا چاہیئے کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہوں، پھر فرمایا کہ جس طرح میں کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے ہوں ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کی زنجیر پکڑے ہوئے یہ فرما رہے تھے

(بحدیث بیہقی)

دوسری ظرافت نعیم بن قعبت الریاحی کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا گھر پر ڈھونڈا تو معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف نہیں رکھتے ہیں۔ آپ کی بیوی صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں، انھوں نے فرمایا:

"سامنے ان کی زمینیں ہیں وہیں ہوں گے۔"

جب میں ادھر چلا تو دیکھتا ہوں کہ آپ کے آگے آگے دو اونٹ ہیں۔ جن کے گلے میں مشکیں پڑی ہوئی ہیں۔ آپؓ انھیں پیچھے سے ہنکاتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ میں آگے بڑھ کر آپ سے ملا، اور ساتھ ساتھ مکان پر آیا۔ آپ نے مشکیں اُتاریں۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت کیا، کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا، آپ سے ملنے کی مجھے تمنا بھی تھی اور آپ کی ملاقات سے مجھے نفرت بھی تھی۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا، یہ دونوں باتیں کیوں کر جمع ہو سکتی ہیں نعیم نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے، اب مجھے

اس کی فکر ہے کہ میرا گناہ معاف ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اگر ہوسکتا ہے تو اس کی کیا صورت ہے اس کا کفارہ بھی ہے یا نہیں؟

پس جب دل میں یہ خیال آتا تھا، کہ آپ ہی میرے لئے کوئی راستہ پیدا کریں گے، اس وقت ولولہ ہوتا تھا کہ آپ سے مل ہی لوں۔ پھر خطرہ ہوتا تھا کہ، کہیں آپ نے مجھے مایوس العلاج قرار دیا تو عمر بھر کا غم میرے ساتھ لگ جائے گا اور اس کے بعد مجھے آپ سے نفرت پیدا ہو جاتی تھی [1]۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد فرمایا کہ یہ حرکت تم نے کفر کے زمانہ میں کی ہے یا اسلام میں؟

نعیم نے کہا کہ ایامِ کفر میں، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا، تو پھر کیا پرواہ ہے (یعنی اسلام خود ہی تمام گناہوں کا کفارہ اور کفر کے زمانہ کے ہر وقت کے گناہوں کو ڈھانے والا ہے)

نعیم سے یہ فرمانے کے بعد آپ اپنی بیوی کی طرف مخاطب ہوئے اور کچھ سر سے اشارہ کیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ مہمان کے لئے کچھ کھانا لاؤ، بیوی صاحبہ یہ سنتے ہی برس پڑیں، یعنی ایک تو کماتے کچھ ہیں نہیں، اور اس پر مہمان نوازی کا شوق؟

---

[1] اس قسم کی متضاد کیفیتیں جذبوں کی جانب سے عام طور پر دلوں میں پیدا ہوتی ہیں، دعا و بد دعا کی امید و خوف میں۔۔ ہر شخص ان کی جانب سے یہی دونوں خیال رکھتا ہے۔ ۱۲ منہ۔

آپ نے پھر بھی نہایت نرمی سے کہا کہ بیچارے کے لئے کچھ لاؤ! لیکن وہ تھیں کہ بگڑ رہی تھیں، حتیٰ کہ آپ نے تیسری بار کچھ زور دے کر فرمایا کہ لاتی ہو یا نہیں؟ لیکن وہ کب سننے والی تھیں۔ اس طرح الجھ پڑیں اور الجھتی رہیں کہ آخر میں آپ نے گویا ہنس کر فرمایا کہ:

"اری کس قدر بولو گی! تم کہیں اس سے بھی آگے نکل سکتی ہو، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی شان میں ارشاد فرما چکے ہیں۔"

نعیم تو وہیں کھڑے تھے، بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟ — آپ نے فرمایا کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں، اگر انھیں سیدھی کرنا چاہو گے تو یہ ٹوٹ جائیں گی۔ اور اگر یونہی چھوڑ دو گے تو بھی باقی رہے گی، لیکن کچھ کام بھی چلتا رہے گا۔[1]"

یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئیں اور خشک ثرید کے کچھ ٹکڑے لے آئیں آپ نے نعیم کو کہا کہ "بس تو شروع کیجئے اور اس کا خوف نہ کیجئے کہ میں کیوں شریک نہیں ہوا، کیونکہ میں روزہ دار ہوں۔"

یہ کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی۔ نعیم کہتے ہیں کہ میں کھا رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ وہ نماز میں کسی چیز کا انتظار فرما رہے ہیں۔ حتیٰ کہ جب انھوں نے اندازہ کر لیا کہ اب مجھے

---

[1] مسند احمد ۱۲

سیری ہوگئی ہوگی۔ فوراً سلام پھیر کر بیٹھ گئے۔ ہاتھ بڑھا کر کھانا شروع کیا۔ مجھے ان کی اس حرکت پر حیرت ہوئی اور بے ساختہ زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہوگیا حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مجھے اس حال میں دیکھا تو ہنسنے لگے اور فرمایا "کہ تم کو کیا ہوا"، میں نے کہا کہ "میں کسی کو جھوٹ بولنے والا خیال کرتا تو کم ازکم تم کو ان لوگوں سے میں مستثنیٰ سمجھتا تھا۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تیرے ماں باپ خدا پر قربان ہوں، جب سے تم آئے اور اس وقت تک تمھارے سامنے میں نے جھوٹ بولا۔ میں نے کہا خوب، ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ میں روزہ دار ہوں، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ "ہاں" بعد اس کھانے کے بھی روزہ دار ہوں اور رہوں گا۔ کیوں کہ اس مہینہ کے تین دنوں ۱۳۔۱۴۔۱۵ میں روزے رکھ چکا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ان تین دنوں میں روزہ رکھا۔ (یعنی روزے کے بدلہ میں دس روزہ کا ثواب ملا اور اسی طرح تین روزوں کے عوض میں تیس روزوں کا ثواب حاصل ہوگا) پس آج میرا روزہ بھی ہے اور اس کا اجر بھی ہے اور تمھارے ساتھ کھا بھی رہا ہوں۔

حضرت ابوذرؓ جب شروع شروع مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کی آب وہوا کچھ ان کے لئے سازگار نہ ہوئی، بیمار پڑ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض علاج اور تبدیلِ آب وہوا ان کو حکم دیا کہ بیت المال کی مویشیاں (اونٹ بکریاں) جہاں چرتی ہیں، وہیں جاکر چندے قیام کرو۔ یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ صرف اونٹنیوں اور بکریوں کے دودھ پر رہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ

علاجاً ان جانوروں کے پیشاب کے استعمال کی بھی اجازت ہوئی تھی۔ محدثین کا خیال ہے کہ یہ استسقار کا علاج ہے ــــــ حضرت ابوذرؓ اسی صحرائی علاقہ کی طرف روانہ ہوئے چونکہ بیمار تھے، اس لئے بیوی کو بھی ساتھ لیا۔ یہ ایسا علاقہ تھا جہاں پانی کا نام نہ تھا۔ مجبوراً حضرت ابوذر کو دودھ ہی پر گزر کرنا پڑا ــــ اچھی آب وہوا، پرہیز سخت، نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد آپ کی حالت بدل گئی۔ یہ شباب کا زمانہ تھا۔ بیوی ساتھ تھیں، یہ سوچے بغیر کہ آخر اس وادی میں پانی ملے گا یا نہیں غسل کی کیا صورت ہوگی، اپنے اوپر غسل واجب کرلیا۔ اب ہوش آیا تو پانی کا میلوں پتہ نہیں غسل کے بدلہ میں بھی تیمم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ حضرت ابوذرؓ کو اس وقت اس کا بھی علم نہ تھا۔ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوا، کچھ سمجھ میں نہ آیا، بجز اس کے کہ ان اونٹوں میں ایک تیز رفتار اونٹ کی پیٹھ پر لدے، اور جتنی تیزی سے بھگا سکتے تھے، افتاں خیزاں مدینہ پہنچے، خود فرماتے ہیں ٹھیک نصف النہار کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ دیکھا کہ آپؐ مسجد کے سایہ میں صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ حضورؐ نے سر مبارک اوپر کی طرف اٹھایا مجھے دیکھ کر بے ساختہ آپ کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ اَبُوْذَرّ ــــ خدا کی شان ابوذر!

میں نے وہیں کہا کہ ہاں یا رسول اللہ! ابوذر ہی ہے۔ پھر سارا قصہ بیان کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ کہاں تو بیماری اور ایسی سخت بیماری کہ بعض روایتوں کے اعتبار سے آپ کو اونٹ کے پیشاب تک کے پینے کی نوبت آئی، لیکن ادھر

طبیعت چاق ہوئی۔ ادھر غسل واجب کرلیا۔ اس کے اس جدّتی طرزِ عمل کو دیکھکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی بے ساختہ ہنسی آگئی۔ پھر آپؐ نے آواز دی۔ ایک لونڈی برتن میں پانی لے کر باہر آئی۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی وقت اسی اونٹ کے اوٹ میں کھڑے ہو کر اس جنابت سے میں نے نجات حاصل کی اور اب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے فرمایا کہ ابوذر! پاک مٹی سے وضو کا کام اس وقت تک لیا جا سکتا ہے، جب تک کہ پانی میسّر نہ آئے، خواہ پانی دس سال تک ہی کیوں نہ ملے۔

ظرافت ہی کے سلسلہ میں غالباً آپ کی ان عادتوں کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے کہ جب آپ سے کوئی پوچھتا کہ کیا آپ ہی ابو ذر ہیں؟ تو فرماتے کہ "ہاں؟ میری بیوی کا یہی خیال ہے۔" آپ کی صاحبزادی کبھی آپ کے ساتھ ہوتیں تو لوگ پوچھتے کہ کیا یہ آپ کی صاحب زادی ہیں؟ اس وقت بھی یہی فرماتے کہ "ہاں! اس کی ماں یہی کہتی ہے"[1]

ایامِ بیض کے روزوں کو مہینہ بھر کا روزہ قرار دینا

اس قاعدے سے ایک دفعہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی نفع اٹھایا ہے، بیہقی میں ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ عبد اللہ بن شفیق عقیلی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے آئے۔ ابھی باہر ہی تھے کہ عبد اللہ نے آپ کے چہرہ کی حالت دیکھکر کہا کہ کیا آپ روزے سے ہیں؟

---

[1] یہ ساری روایتیں مسند احمد میں ہیں۔

بولے، ہاں! اتنے میں اندر طلبی ہوئی، دیکھتے ہیں کہ ایک بڑے پیالے میں کھانے کی کچھ چیز رکھی ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھانے کا اشارہ کیا عبداللہ کے ساتھ حضرت ابوذر بھی پیالہ میں شریک ہوگئے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے انگلیوں سے اشارہ کیا اور یاد دلایا کہ آپ روزے سے ہیں جواب میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، مجھے اپنا روزہ یاد ہے، بھولا نہیں ہوں، میں نے تم سے کہا تھا، یہی نا کہ میں روزدار ہوں، میں ہر مہینہ کی تین تاریخوں میں چونکہ روزے رکھتا ہوں، اس لئے ہمیشہ صائم ہی رہتا ہوں۔[1]

اس قسم کی اور بھی ظرافتیں آپ سے منقول ہیں مدعا کے ثبوت کے لئے اتنی بھی کافی ہیں۔

لوگوں پر مجذوبانہ انداز کے ساتھ بگڑنا

اس ظرافت کے ساتھ اور باتیں بھی مخصوص ہیں مثلاً جو آدمی ان کے پاس جائے گا، اس پر پہلے بگڑیں گے، اسے جھڑکیں گے، اگر زیادہ مغلوب الحال ہوجائیں تو سُنا ہے کہ گالیاں بھی دیتے ہیں۔

بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذب چوں کہ جذب کامل تھا اس لئے ہذیان وخرافات تو آپ کی زبانِ مبارک سے نہیں نکلتے تھے لیکن بگڑنے، جھڑکنے کی عادت آپ میں کم وبیش پائی جاتی تھی۔

عوام تو عوام بڑے بڑے جلیل القدر صحابی آپ سے ملنے آتے ان پر

---

[1] سنن بیہقی ۱۲۔

بگڑتے، ان سے بھاگتے، اپنے سامنے سے اٹھا دینے کی کوشش کرتے، لیکن چونکہ اس طائفہ کی ان تمام باتوں کو لوگ انکی مغلوب الحالی پر محمول کرتے ہیں اور آج تک یہ طریقہ دنیا میں مروّج ہے، اس لئے کسی کو آپ کی باتیں بری نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ آپ جس قدر بیزاری ظاہر کرتے، صحابی اسی قدر آپ سے لپٹتے آپ انھیں نکالتے لیکن قدرشناسانِ حقیقتِ ابوذری اور بھی۔۔۔۔ آپ سے قریب ہوتے۔

ایک دن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن (جہاں آپ صوبہ دار اور ناظم تھے) سے واپس آئے تو حضرت ابوذرؓ سے بھی ملنے کے لئے تشریف لائے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے تھے، ابوموسیٰ اشعری پیچھے سے آکر آپ کی کمر میں لپٹ گئے۔

حضرت ابوذرؓ آپ کو دیکھتے ہی بگڑ گئے۔۔۔ وہ کمر سے لپٹے ہوئے ہیں اور کہتے جاتے ہیں۔

مَرْحَبًا یَا اَخِیْ — میرے بھائی مرحبا

مگر آپ کی یہ کیفیت ہے کہ

اِلَیْكَ عَنِّیْ اِلَیْكَ عَنِّیْ — ہم سے دور رہو، ہم سے دور رہو

فرما رہے ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری ایک پتلے دُبلے آدمی تھے اور آپ بھاری بھرکم بدن کے تھے، وہ چمٹے ہوئے ہیں اور حضرت ابوذر جھٹکے دے دے کر چاہتے ہیں کہ کسی طرح ان سے چھوٹ جاؤں۔ دیر تک کشاکش ہوتی رہی۔

"دُور رہو، دُور رہو، ہم تم سے ملنا نہیں چاہتے۔!"
آپ کی زبان پر جاری ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ "دور کیوں رہوں گا تم میرے بھائی ہو۔"

آپ اس کا جواب دیتے کہ "نہیں۔ اب تم میرے بھائی نہیں رہے تم سے برادری اسی وقت تک تھی، جب تک کہ تم کسی صوبے کے عامل اور ناظم مقرر نہیں ہوئے تھے۔"

الغرض دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا، اور خدا جانے آخر میں ان دونوں نے کیا فیصلہ کیا۔ انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر میں پھر راضی ہو گئے۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ بگڑنے اور خفا ہونے کے بعد پھر نرم بھی پڑ جاتے۔ کیوں کہ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بحرین کے ناظم اور صوبہ دار تھے) جب وہاں سے آئے تو آپ سے ملنے گئے اور اسی طرح کمر میں لپٹ گئے۔ حسبِ دستور ان کو بھی آپ نے

اِلَيْكَ عَنِّيْ — مجھ سے الگ رہو دور رہو۔

کہنا شروع کیا

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مَرْحَبًا یَا اَخِیْ — مرحبا یا بھائی۔

فرماتے جاتے تھے اور آپ ان کی انگلیاں پکڑ کر چاہتے تھے کہ نکل بھاگوں، مگر وہ بھی زبردست تھے، کب چھوڑتے۔ آخر تھک کر آپ نے پوچھا کہ، تم ان لوگوں (یعنی خلفائے وقت) کی طرف سے کسی صوبہ کے عامل مقرر ہوئے یا نہیں؟ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ہاں میں نے صوبہ داری قبول کر لی۔

آپ نے پوچھا، تو صوبہ داری کے زمانہ میں کوئی اونچی کوٹھی بھی تم نے بنوائی، کوئی بڑی زمینداری بھی تم نے حاصل کی، اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ کے تم مالک بھی ہوئے۔

حضرت ابو ہریرہ نے کہا نہیں، میں نے ان چیزوں میں سے کوئی چیز حاصل نہیں کی۔ یہ سن کر خوش ہو گئے۔ اور پھر خود گلے لگا کر فرمانے لگے ہاں تو تم میرے بھائی ہو، تم میرے بھائی ہو۔

الغرض عموماً اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر ناز کرتے، اور صحابہ بھی آپ کی ناز برداریوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے، آپ ہر شخص کو ڈانٹ دیتے تھے۔ ذرا سی بھی غلطی ہوتی تو ٹوک دیتے نہ کسی سے ڈرتے تھے اور نہ کسی سے دبتے تھے۔ سب کو اپنا ہم عصر، ہم جماعت سمجھتے تھے۔ بہر حال اس سلسلے میں بھی واقعات بہت ہیں۔ لیکن بایں ہمہ ڈانٹ ڈپٹ، غیظ و غضب

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا شمار جلیل القدر صحابیوں میں ہے ایک دفعہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے سامنے سے گزر رہے تھے اور وہ اپنے ایک مکان کی تعمیر کرا رہے تھے۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا ——— تم نے بھی پتھر کی چٹانیں لوگوں کے کندھوں پر لدوائیں" حضرت ابو درداء بولے کہ "بھائی میں تو ایک مکان بنوا رہا ہوں" مگر حضرت ابوذر فقرۂ بالا ہی کو دہراتے رہے۔ آخر میں حضرت ابو درداءؓ نے کہا "شاید آپ کو میرا مکان بنوانا ناگوار ہوا" حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے "ابو درداء کاش! میں تمہارے سامنے سے گزرتا، اور تم کو اپنے گھر کی غلاظتوں (گھورے) پر پاتا

یہ اس سے زیادہ پسندیدہ تھا جس حال میں تم کو اس وقت پا رہا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دن ملاقات ہوئی ان کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی جس کے قبضہ پر چاندی چڑھی ہوئی تھی، یہ دیکھ کر بولے: "میں نے رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، جس نے پیلے یا سفید (دینار و درم) کو چھوڑا ان ہی سے قیامت میں داغا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ مطلب سمجھ گئے، اسی وقت تلوار ہاتھ سے پھینک دی (بیہقی ص۱۲۴)

تم نے دیکھا کہ بجائے جھگڑے کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تلوار ہی پھینک دی، اور جانتے ہو کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن پر آپ اس قدر بگڑے ان کا کیا حال تھا۔ استیعاب میں ہے کہ حضرت ابو درداء کو خبر ہوئی کہ ابو ذر ربذہ چلے گئے، تو فرماتے تھے اگر ابو ذرؓ میرے جسم کی بوٹی بھی اڑا دیتے تو میں ان کو ملامت نہیں کر سکتا تھا۔ اسی ڈانٹ ڈپٹ کے سلسلہ میں آئندہ اس واقعہ کا بھی ذکر آئے گا، کہ کعب احبار جو یہودی سے مسلمان ہوئے تابعین میں شمار تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں بر سرِ دربار ایک خاص مسئلہ میں جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔ حضرت ابو ذرؓ نے ان کو سخت سُست بھی سنایا اور ڈنڈا بھی رسید کیا، کہتے ہیں کہ بے چارے کا سر کھل گیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب

البتہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کے تقویٰ و زہد، علم و معرفت کے آگے اگر جھکتے تھے تو وہ صرف ایک وحید ذات حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر آتی ہے۔

بلکہ جب میں ان عظمتوں اور توقیروں کے واقعات پڑھتا ہوں جو آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا کرتے تھے، تو پھر آپ کی مجذوبیت تک میں مجھے کچھ شبہ سا ہو جاتا ہے۔ لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شاید جذب کی شانوں میں ایک شان ان کی یہ بھی تھی، کہنے والوں نے جو یہ کہا ہے کہ یہ وہ گروہ جو اللہ والوں کا ہے، جو کبھی تو طارمِ اعلیٰ کی خبر لاتا ہے اور کبھی اپنے پشتِ پا کی بھی اُسے خبر نہیں ہوتی۔

مسندِ احمد میں ایک یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے سے ایک شخص گزرا جس کا نام غضیف بن حارث تھا اگرچہ وہ صحابی نہ تھے، لیکن رشد و صلاح کے زیور سے آراستہ اور سینے میں پاک دل رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

نِعْمَ الْعَبْدُ غَضَيْفٌ [1]   غضیف کیا اچھا بندہ ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں کھڑے تھے، جب غضیف آگے روانہ ہوئے تو آپ بھی ان کے پیچھے ہو لئے اور سامنے آکر نہایت لجاجت اور غایتِ عاجزی سے فرمانے لگے:

---

[1] ان کا پورا نام غضیف بن الحارث بن زنیم اسکونی ہے بنی کندہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے تاہم جلیل القدر اصحابِ النبیؐ کی صحبت میں مدتوں رہے ہیں۔ حضرت بلال، حضرت فاروق، ابوعبیدہ بن الجراح، ابو دردار، حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ آخر زمانہ میں حمص میں توطن اختیار کیا اور وہیں وفات ہوئی (تہذیب التہذیب ص۲۲۹ ج ۸)

"بھائی میرے لئے دعا کرو، خداوند تعالیٰ کے دربار میں میری بخشائش کی سفارش کرو، کہ وہ میرے گناہ معاف فرمادے غضیف۔"
ابوذر کو اس حال میں دیکھ کر گھبرا گئے اور متعجبانہ لہجہ میں فرمانے لگے:
"حضور! یہ آپ کیا فرمارہے ہیں آپ صحابی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ احق ہیں کہ میرے لئے استغفار کریں، نہ کہ میں۔"
حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد جو کچھ فرمایا وہ ان تمام اندرونی جذبات کو بے نقاب کردیتا ہے، جو آپ کے دل میں حضرت عمرؓ کی جانب سے موجزن تھے، آپ نے کہا:
"کہ میں نے عمر بن الخطابؓ کی زبان سے ..... ابھی سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا:
نِعْمَ الْعَبْدُ الْغَضَيْفُ (غضیف بہت اچھا بندہ ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سچائی اور راستی عمرؓ کی زبان پر چسپاں کردی گئی ہے۔"
مقصد یہ تھا کہ جب تم کو فاروقِ اعظمؓ نے اچھا کہا ہے تو یقیناً تم اچھے ہو اور اچھوں کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔
یہاں یہ مسئلہ قابلِ غور ہے کہ عموماً امامیہ طبقے کے لوگ بھی حضرت ابوذرؓ کو اصحابِ طیبین وطاہرین میں شمار کرتے ہیں، لیکن حضرت ابوذرؓ جس ذات کو طیب خیال فرماتے تھے اور جس کی تصدیق کو گویا آسمانی تصدیق وہ سمجھتے تھے کس قدر عجیب ہے کہ ان کی اونچی شان پر وہ منہ آتے اور اُن کی

پاک نیت پر حملہ کرتے ہیں غضیف سے حضرت ابوذر رضؓ نے جس چیز کی درخواست کی، تم خود انصاف کرو کہ کیا تقیہ کی کسی شق کے نیچے وہ داخل ہوسکتا ہے؟ ان کو کس نے مجبور کیا کہ خواہ مخواہ غضیف سے دعا کے لئے الحاح و زاری کریں۔ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا

سفرِ دمشق والشام مدینہ منورہ کے قریب ایک نامی پہاڑ سلع[1] ہے حضرت ابوذر رضؓ کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی کہ:

اِذَا بَلَغَ الْبِنَاءُ سَلْعًا	جب مدینہ کی آبادی جبلِ سلع تک
فَارْتَحِلْ اِلَى الشَّامِ۔	پہنچ جائے تو شام کی طرف کوچ کر جانا۔

یہ فرمان کیوں دیا گیا تھا، اس کی صحیح علت مجھے معلوم نہیں، مراتبِ سلوک میں سلع کی آبادی سے کیا نقصان پہنچتا تھا۔ مرشد و مرید کے علاوہ اسے کون

---

[1] یہ پہاڑ اس نام سے مدینہ منورہ کے سامنے ابتک موجود ہے یہی وہ کوہ مبارک ہے جس کا ذکر حضرت یسعاہ نبی کی کتاب میں ان لفظوں میں آیا ہے، سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے وُہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے کون نہیں جانتا کہ طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا کا گیت سلع کے باشندوں نے گایا اور کس کے لئے گایا ۱۲

[2] البتہ کامل ابن اثیر وغیرہ مؤرخین کا بیان اگر صحیح ہے کہ دمشق سے حضرت عثمانؓ کی طلبی پر جب حضرت ابوذر رضؓ مدینہ منورہ تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مدینہ کا وہی چھوٹا سا قصبہ عہدِ عثمانیؓ کے

جان سکتا ہے۔ تاہم قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مدینہ کی آبادی اس قدر معمور ہو جائے گی تو اس وقت اس کا تمدن بہت بڑھ جائے گا۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز بتانا چاہتے تھے، چونکہ اس کے لئے اتنی مدنیت مضر ہوتی۔ اس لئے آپ نے شام کی روانگی کا حکم دیا تھا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات کے بعد جب مختلف مقبوضات میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں تو حضرت ابوذرؓ نے شام کے "مکتبہ" یعنی فوجی چھاؤنی میں اپنا نام لکھوایا اور وہیں تشریف لے گئے۔ کب گئے؟ گو حافظ ابنِ عَبْدُ الْبَرّ نے لکھا ہے کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کی وفات ہی کے بعد یہ قصہ پیش آیا۔ لیکن قرائن کا اقتضا ہے کہ عمرِ فاروقؓ کے عہد میں جب عسکری تنظیم

(بقیہ صفحہ گزشتہ کا) ان دنوں میں ترقی کرتے ہوئے اس نقطہ تک پہنچ گیا تھا کہ راوی المجالس فی اصل جبل سلع (یعنی کوہ سلع کے دامن میں ابوذرؓ نے دیکھا کہ نشست گاہیں بنی ہوئی ہیں) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کتنا عظیم الشان شہر ہو گیا تھا۔ بنتے ہوئے گویا مکانات سلع کے دامن تک پہنچ گئے تھے۔ بہرحال اس حال کو دیکھ کر حضرت ابوذر پر ایک حال طاری ہو گیا۔ اور بے اختیار زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے بشر اہل المدینۃ بغارۃ شعواء۔ وحرب تذکار (بشارت سنا دو مدینہ والوں کو ایک تباہ کن لوٹ مار کی اور یاد رہ جانے والی جنگ کی صہ ج ۱۴) اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ یزید کے زمانہ میں واقعہ حرہ کے وقت جس بے دردی کے ساتھ لوٹا گیا کہ مسجد نبوی میں اذان دینے والا کوئی نہ تھا۔ صحابہ اور صحابہ کی اولاد کا قتلِ عام کئی دن تک ہوتا رہا، یہ اسکی طرف اشارہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقت اس ہائلہ فتنہ سے مطلع فرما دیا تھا۔

مقبوضات کی حفاظت کے لئے کی گئی اس وقت شام کی چھاؤنی سے آپ نے اپنا تعلق اختیار فرمایا۔ انساب الاشراف بلاذری میں بھی لکھا ہے کہ کَانَ مَکْتَبَہٗ بِالشَّامِ اِلَّا اَنَّہٗ کَانَ یَقْدَمُ حَاجًا وَقَالَ عُثْمَانُ الْاِذْنُ لَہٗ فِیْ ذٰلِکَ (یعنی ان کی اصل چھاؤنی تو شام میں تھی، لیکن اجازت لے کر حج کے لئے حجاز بھی آتے اور حضرت عثمانؓ سے کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے جوار میں کچھ دن رہنے دو، وہ ان کو اجازت عطا کرتے) گویا یوں مکہ اور مدینہ میں ان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا لیکن اصل قیام گاہ ان کی شام ہی کے شہر دمشق میں تھی (دیکھو البلاذری ص۵۴ ج ۵)

بہر حال اتنا قطعی ہے کہ خلافتِ عثمانی میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ دمشق میں تھے، وہاں کمبلوں کا ایک معمولی سا جھونپڑا ڈال لیا تھا، جس میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ زندگی گزارتے تھے[1]

مسئلۂ کنز جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر حضرت ابوذرؓ کا خاص شیوہ تھا۔ سچائی کے اعلان میں دنیا کی کوئی قوت آپ کو روک نہیں سکتی تھی۔ حتیٰ کہ خود علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے جیسا کہ گزر بھی چکا، یعنی:

"کہ اللہ کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کے طعنوں سے نہ ڈرنے والا صرف ابوذر رہ گیا ہے۔"

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۴

الغرض مشکوٰۃ نبوت سے جو روشنی آپ کو عطا کی گئی تھی، اس روشنی کے عام کرنے میں آپ کبھی دریغ نہیں فرماتے تھے، جب موقع ملتا۔ اسی فکر و عمل میں مصروف رہتے۔ حتیٰ کہ تم آغازِ کتاب میں پڑھ آئے ہو کہ اعلانِ توحید میں آپ پر کیا کیا مصائب نازل ہوئے، لیکن آپ کو اس کی کوئی پروانہ ہوتی تھی یہی وجہ ہوئی کہ جب آپ شام تشریف لائے، تو یہاں بھی آپ نے وعظ و درس کا باب کھول دیا۔ اشاعتِ سُنّت میں منہمک ہو گئے اس زمانہ کے مواعظ کے بعض بلیغ فقرے تاریخوں میں محفوظ بھی ہو گئے۔ مثلاً البلاذری نے نقل کیا ہے:

شام میں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے:

"خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ سچائی بجھ رہی ہے، جھوٹ زندہ کیا جا رہا ہے، سچے جھٹلائے جا رہے ہیں، بغیر تقویٰ کے لوگ خود غرضیاں اختیار کر رہے ہیں"

(البلاذری ص۵۶ ج ۵)

بہرحال اسی ضمن میں آپ نے مسئلہ کنز کی بھی تبلیغ شروع کی، جو لوگ کنز کے مرتکب تھے، ان کو دھمکاتے ڈراتے، فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جو لوگ چاندی اور سونے پر گرہیں لگاتے ہیں وہ شعلے بن کر ان سے لپٹیں گے، جب تک کہ اسے خدا کی راہ میں صرف نہ کریں" کبھی بیان کرتے ہیں کہ کانزین (سونے اور چاندی جمع کرنے والوں) کو

مژدہ سنادو! کہ جہنّم کی آگ میں تپائی ہوئی تختیاں ان کی ایک پستان پر رکھی جائیں گی، حتیٰ کہ سینہ کو توڑ کر مونڈھے کی ہڈیوں سے نکل جائیں گی، اسی طرح پھر مونڈھے کی ہڈیوں پر دھری رہ جائیں گی، حتیٰ کہ وہ دوسرے پستان کی طرف توڑ کر باہر نکل جائے گی [1]

کبھی ارشاد فرماتے، مالدارو! غریبوں کی مدد کرو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	جو لوگ سونا چاندی کو سینت سینت کر
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ	رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ	کرتے ان کو دردناک دکھ کا مژدہ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمٰى	سنادو۔ اس دن وہی چاندی سونا آگ میں
عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا	گرم کئے جائیں گے پھر ان کی پیشانیاں
جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ	اور پہلو اور پیٹھ اس سے داغے جائیں گے
هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ	اور کہا جائیگا یہ وہی ہے جسے اپنے فائدے
فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝	کے لئے تم نے اکٹھا کر رکھا ہے، پس
	چکھو اس چیز کو جسے تم لوگ جمع کرتے تھے

٭ ٭ ٭

الغرض متواتر مسجدوں، بازاروں میں آپ کا یہی بیان ہوتا رہا۔ مورخین کا بیان ہے، اس واقعہ سے عام طور پر دمشق میں برہمی پھیل گئی غربا امراء کو تنگ کرنے لگے، ایک آفت برپا تھی۔ طبری میں ہے:

حَتّٰى وَلَعَ الْفُقَرَاءُ بِمِثْلِ	غربا اس قسم کی باتوں سے دلچسپی لینے لگے
ذٰلِكَ وَاَوْجَبُوْهُ عَلَى الْاَغْنِيَاءِ	اور امیروں پر اس کو واجب کر دیا (کہ جو کچھ ان کے پاس ہو خرچ کر دیں۔)

---

[1] تاریخ طبری ص ۵۷ ج ۵۔ ۱۲۔

چوں کہ اس مسئلہ نے آئندہ چل کر ایک اہم صورت اختیار کی اس لیے ہم اس میں کچھ تفصیل سے کام لینا چاہتے ہیں، خصوصاً اس لئے بھی کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کسی نے آپ کے اصل مقصد تک پہنچنے کی صحیح کوشش غالباً نہیں کی۔ لوگ سرسری طور پر ان کی باتوں کو سُن کر گزر تے رہے، اور یوں عام طور سے اہلِ علم میں بھی ایک غلط بات مشہور ہو گئی ہے۔

آپ کے مذہب کی صحیح تنقیح

مختلف لوگوں نے آپ کے خیال کی مختلف شرح کی ہے۔ ہم پہلے علمار کی آرار درج کرتے ہیں۔ اخیر میں جو کچھ میری رائے ہے، اسے بیان کروں گا۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔

عام طور سے اکثر علمار کی یہی رائے ہے کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کو جمع کرنا حرام سمجھتے تھے، حافظ ابوعمرو بن عبدالبرؒ کہتے ہیں:

وَرَدَتْ اٰثَارٌ کَثِیْرَۃٌ عَنْ	ابوذرؓ سے بکثرت ایسی باتیں منقول ہوئی
اَبِیْ ذَرٍّ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ کَانَ	ہیں جو بتاتی ہیں کہ کھانے پینے اور سامانِ
یَذْھَبُ اِلٰی اَنَّ کُلَّ مَالٍ	زندگی کے علاوہ ہر ایک قسم کے مال جمع
مَجْمُوْعٍ یَفْضُلُ عَلَی	کرنے کو کنز کہتے ہیں اور اس کے مرتکب
الْقُوْتِ وَسَدَادِ الْعَیْشِ	کی مذمت فرماتے تھے اور قائل تھے
فَھُوَکَنْزٌ یُذَمُّ فَاعِلُہٗ	کہ وعید کی آیت قرآن مجید میں ان
وَاَنَّ اٰیَۃَ الْوَعِیْدِ نَزَلَتْ	لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔
فِیْ ذٰلِکَ۔	

÷ ÷

لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ آثار کن کتابوں میں مذکور ہیں۔ طبقات مسندات، مصنفات، اس کے علاوہ عموماً تاریخ وحدیث کی کتابیں ہمارے پاس ہیں، ان میں اس بڑے دعوے کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہوئی ہے کہ قاضی عیاضؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے آپ کے "نظریۂ کنز" کے مطلب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

قاضی عیاضؒ کا خیال ہے ______ کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ عام طور پر ہر شخص کے لئے اس حکم کو نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کی کل دھمکیاں ان بادشاہوں کے ساتھ مخصوص تھیں جو رعایا سے روپے وصول کرکے محض اپنے عیش وآرام، جاہ وجلال میں صرف کرتے ہیں، اور جن لوگوں کے واقعی حقوق ہیں، ان کو محروم رکھتے ہیں۔

علامہ نوویؒ کو اس توجیہ پر غصہ آگیا ہے اور نہایت سختی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ابوذرؓ اپنے زمانہ میں لوگوں کو دھمکاتے پھرتے تھے۔ پھر اس قسم کے ظالم وعیش پسند بادشاہ اس زمانہ میں کب موجود تھے کہ وہ تو خلفائے صدیقین وامرائے عادلین مثل ابوبکرؓ وعثمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عہد تھا۔

حافظ ابن حجرؒ کا خیال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دراصل یہ مطلب نہ تھا کہ خود اپنے مال کے جمع کرنے میں بھی انسان داغا جائے گا، بلکہ آپ کا یہ فتویٰ ان لوگوں کی حد تک محدود تھا جو دوسروں کا مال جمع کرتے ہوں، اور جب اصلی مالک اس کا مطالبہ کرتا ہے تو ہاں، نہیں میں ٹال دیتے ہیں۔ اس لئے اپنے مال پر کسی کی تعذیب کیوں ہو۔ بڑے بڑے

جلیل القدر صحابہ کا فتویٰ تھا کہ اگر زکوٰۃ نکالنے کے بعد ہمارے پاس ایک پہاڑ کے برابر سونا ہو تو ہمیں پھر کوئی خوف نہیں[1]۔

حافظ نے اس کے بعد ایک اور توجیہ بیان کی ہے، چونکہ وہ بجنسہٖ قاضی عیاضؒ کی تاویل کا ترجمہ ہے، اس لئے اسے قلم انداز کرتا ہوں۔

ناچیز کی رائے

اگر امام نوویؒ کو قاضی عیاضؒ پر اور قاضی عیاضؒ کو اپنے گزشتہ مؤلفین و مصنفین پر نکتہ چینی کا حق ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ مجھے اگر اعتراض کا نہیں تو کم از کم اپنے خیالات کے اظہار سے کیوں روکا جائے گا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ میں جو کچھ آئندہ لکھوں گا اس میں غلطی کی گنجائش نہیں دیوانہ ہے جو ایسا ہے۔ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ کے بعد اس قسم کے تکبرانہ دعوے کا حق کس کو حاصل ہے؟ بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدیٰ و روشن طرز و طریقہ روایات و اقوال سے جو کچھ سمجھتا ہوں اسے پیش کئے دیتا ہوں۔

میرا خیال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ خصوصیت کے ساتھ نقدی (سونا چاندی) جمع کرنے کی چیز نہیں علاوہ ان نقدین کے آپ کسی اور چیز کے جمع کرنے کو منع نہیں فرماتے تھے۔ میرے نزدیک حافظ عمر بن عبدالبرؒ کا کہنا کہ "کل مالٍ مجموعٍ"، مال کا لفظ جو ہر ایک قسم کے مال پر صادق آتا ہے، قابلِ اصلاح ہے۔ بلکہ کہنا یہ چاہئے کہ "کلّ ذہبٍ وفضّۃ"، یعنی ہر قسم کا سونا و چاندی۔

---

[1] فتح الباری شرح بخاری سے یہ تفصیلات نقل کیے گئے ہیں۔

پھر نقدی کے بارے میں بھی آپ کا یہ خیال کبھی نہ تھا کہ حاجت سے اگر زیادہ ہو تو خدا کی راہ میں وہ لٹا دیا جائے، بلکہ خود آپ کے قول و عمل سے عنقریب معلوم ہو گا کہ آپ کی رائے یہ تھی کہ

اگر روپے اشرفیاں حاجت سے زیادہ ہیں تو ان کو فوراً کسی مفید چیز کی صورت میں بدل دو، تاکہ ایک مفید جائداد ہو جائے، یا روزمرہ کی ضرورتوں میں کام آئے۔ مثلاً اس سے زمین خرید لی جائے۔ بکریاں مول لے لی جائیں، جن کے بچوں سے دودھ کا فائدہ حاصل ہو۔ گدھے، گدھیاں، اونٹ، وغیرہ لے لئے جائیں تاکہ بار برداری، سواری میں ان سے آرام ملے، یا پیسے بنا لئے جائیں جو ضرورتوں میں کام آتے رہتے ہیں۔

اگر یہ چیزیں کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ ہیں تو پھر وہ اُخروی تجارت شروع کرے۔ یعنی بے کھٹکے ایک اٹھنی کی دس اٹھنیاں قطعاً بناتا چلا جائے۔ البتہ جو لوگ نہ وہ کرتے ہیں اور نہ یہ کرتے ہیں، بلکہ خواہ مخواہ سونا چاندی جمع کرنے کا جن کو شوق ہے ان کے حق میں یہ آیت پڑھا کرتے تھے

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ	اور جو لوگ جمع رکھتے ہیں، سونا اور
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا	چاندی اور اس کو نہیں خرچ کرتے
يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کی راہ میں تو (اے محمدؐ) ان کو
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ	خوشخبری سنا دو درد ناک عذاب کی۔
اَلِيْمٍ الآیۃ	

٭ ٭ ٭

حتیٰ کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سونے کے زیور کو بھی پسند

نہیں کرتے تھے، نہیں چاہتے تھے کہ سونا زیور کی صورت میں مقید ہو جائے کیوں کہ مسند میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک اعرابی آیا جس میں حضرت ابوذرؓ بھی شریک تھے اور آ کر کہا:

اَكَلَتْنَا الضَّبُعُ يَا	ہم لوگوں کو قحط کھا گیا
رَسُولَ اللّٰهِ يَعْنِي السَّنَةَ	یا رسول اللہ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں اس وقت سے ڈر رہا ہوں، جب تم لوگوں پر دنیا خوب اچھی طرح بہائی جائے گی (یعنی وہ اس قحط سے زیادہ خطرناک اور ایام آزمائش ہوں گے) اور اس کے بعد نہایت حسرت سے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

فَيَا لَيْتَ اُمَّتِي لَا يَتَحَلَّوْنَ	کاش میری اُمت سونے کا
الذَّهَبَ.	زیور استعمال نہ کرتی۔

اس روایت سے گو سونے کی حرمت مطلقاً نہیں ہوتی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنّا یہی تھی کہ میری اُمّت (خواہ مرد ہو یا عورت، کہ لفظِ عام ہے) سونے کو استعمال نہ کرتی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر جو جذب کی کیفیت موجود تھی اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس منشارِ نبوت نے ان میں کس اثر کو پیدا کر دیا ہوگا۔ اگر میں یہ کہوں کہ انھوں نے اُمّت پر سونے کو حرام کر دیا ہوگا تو کیا بعید ہے خصوصاً حدیث کے جب وہی راوی ہیں خلاف میں اس کے ان کا کوئی فتویٰ بھی نہیں

پایا جاتا، تو یہ بات امکان سے بہت قریب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ بعض ارباب فتاویٰ کی رائے بھی ہے بہر حال اگر وہ طلائی زیوروں کو حرام نہیں تو کم از کم ناپسند ضرور خیال فرماتے ہوں گے۔ اور اگر یہ بھی نہیں تو پھر اس پر زکوٰۃ ضرور فرض سمجھتے ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

مندرجہ بالا دعوے کے وجوہ میرے نزدیک آپ کی رائے کی صحیح تصویر یہی ہے، طبقات و مسند اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ کثرت سے ان دونوں میں ایسی چیزیں ملتی ہیں، جن سے ہمارا دعویٰ مدلل ہو جاتا ہے۔ خود آپ کے ذاتی عمل اور قول سے اس کا پتہ چلتا ہے، جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے ہوتے ہوئے دوسروں کی باتیں ظاہر ہے کہ کیا وقعت رکھتی ہیں۔ مثلاً معلوم ہوتا ہے:

(۱) آپؓ اپنی تنخواہ سے سال بھر کی ضرورت کی چیز خرید لینے کے بعد باقی روپوں کے پیسے بھنا لیتے تھے۔

(۲) جب شام سے آپ کے اہل و عیال واپس ہوئے (جس کی تفصیل آگے آتی ہے) تو ان کے پاس ایک کیسہ برآمد ہوا۔ لوگوں کو اس بات پر حیرت ہوئی۔ اس پر آپ کی بیوی نے فرمایا کہ قسم خدا کی اس میں اشرفی اور درہم نہیں ہیں بلکہ پیسے ہیں، جسے ابوذرؓ ضروریات کے لئے بھنا لیا کرتے تھے [۱]

حلیہ میں قریب قریب اسی قسم کی ایک حکایت اور ہے۔ راوی کا

---

[۱] تاریخ طبری وطبقات ۱۲ وکے طبقات۔ ۱۲

بیان ہے کہ میں نے ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی صاحبہ کو دیکھا ان پر ایک ادنیٰ برقعہ پڑا ہوا تھا، چہرہ جھلسا ہوا تھا ان کے ہاتھ میں ایک تفہ (خشک کدو کے تونبہ کو کہتے ہیں) بھی تھا۔ صاحبزادی صاحبہ حضرت ابوذرؓ کے سامنے آکر کھڑی ہو گئیں اور فرمانے لگیں :

اباجان! کاشت کاروں اور کسانوں کا خیال ہے کہ آپ کے پیسے جو اس (تفہ) میں ہیں، یہ بھی ضرورت سے زائد ہیں۔

حضرت ابوذرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا، بیٹی! اس کو اپنے پاس رکھو! الحمد للہ کہ تمہارے باپ نے کبھی کسی رات کو اس حال میں دن نہیں کیا ہے کہ وہ زرد و سفید (زر و سیم) کا مالک ہو، مگر تھوڑے سے پیسے یعنے اتفاقی ضرورتوں کے لئے اپنے پاس ان کو ضرور رکھتا ہوں۔

(۳) آپ کے پاس گدھیاں بھی تھیں، گدھے بھی تھے، جو باربرداری وغیرہ میں کام آتے تھے [۱]

(۴) آپ کے پاس اونٹ بھی تھے جن پر علاوہ سواری کے پانی لایا کرتے تھے [۲]

(۵) آپ کی ملک میں زمین بھی تھی [۳] خواہ بصورت کھیتی یا باغ۔

(۶) خود آپ سے روایت ہے :

---

[۱] و [۲] طبقات ۱۲۔

[۳] مسند احمد میں ہے الیٰ ضیعتہ۔ ضیعتہ کے معنیٰ مجمع البحار میں بھی النبائین والزراعت۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَاحِبِ اِبِلٍ وَلَا بَقَرٍ وَّلَا غَنَمٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكٰوتَهَا الَّا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اعظم مَا كَانَتْ واسمنه تَنْطَحه بِقُرُوْنِهَا وَتَطَؤُهُ بِاَخْفَافِهَا كُلَّمَا نَفِدَتْ اُخْرٰهَا عَادَتْ اُوْلٰهَا حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ (مسند احمد)	جو شخص اونٹ یا گائے بکری کا مالک ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہے قیامت کے دن اس کے پاس یہ جانور لائے جائیں گے، دنیا میں جس قدر تھے اس سے بڑے کرکے لائے جائیں گے اسی طرح دنیا میں جس قدر تھے اس سے موٹے کرکے قیامت کے دن لائے جائیں گے، اور پھر اپنے مالک کو سینگ ماریں گے۔ اور پاؤں سے روندیں گے۔ جب تک حساب کتاب کا معائنہ ختم نہ ہو جائے۔ یہ اسی طرح کرتے رہیں گے، جب ایک قطار ختم ہو جائے گی دوسری لوٹے گی۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مویشیوں کی جب زکوٰۃ ادا کردی جائے۔ تو پھر ان کے رکھنے میں مضائقہ نہیں اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اجازت دیں، اسی اجازت کے خود ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہوں اور پھر اس کی مخالفت کریں۔

الغرض حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اجازت تھی کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد آدمی جسقدر اونٹ گائے وغیرہ رکھ سکتا ہو، رکھے، اس کے لئے کوئی وعید نہیں بسند احمد

میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اور روایت ہے جس سے میری اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ آپ صرف سونا اور چاندی کو سونا اور چاندی کی شکل میں جو چیز بھی ہو اس کو بلا وجہ گاڑنے یا جمع کرنے کے مخالف تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا:

يَا أَبَا ذَرٍّ اَعْقِلْ مَا أَقُوْلُ	اے ابوذر! سمجھو اس کو جو میں کہتا
لَكَ الْعَنَاقُ يَأْتِي رَجُلاً	ہوں قطعاً ایک بکری جو کسی
مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ لَهٗ	مسلمان کو حاصل ہو یہ اس سے بہتر
مِنْ اُحُدٍ ذَهَبٍ يَتْرُكُهٗ	ہے کہ اُحد کے برابر اس کے پاس
وَرَاءَهٗ (مسند احمد)	سونا ہو، پھر اپنے بعد اس کو چھوڑ جائے۔

* *

الفاظ حدیث بجنسہ میں نے نقل کر دیئے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا مفہوم وہی ہے جو میں نے ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔ جس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ بجائے "سونے" کے آدمی کے لئے بکری کا ایک بچہ زیادہ مفید ہے یعنی وہ ایک بڑھنے اور بڑھانے والی چیز ہے۔ خصوصاً عرب میں آدمی کا ایک بڑا ذریعہ اونٹ اور بکریاں ہی تھیں، اس لئے آپؐ نے بکری کا ذکر کیا۔ ورنہ بظاہر ذکر اس کا ہی ہے کہ زر کو آمدنی پیدا کرنے والی نفع بخش چیزوں میں لگا دینا زیادہ مفید ہے بہ نسبت اس بات کے کہ زر کو زر ہی کی شکل میں مقید کر کے کہیں دفن کر دیا جائے۔ چوں کہ مسلمانوں کے معاش کا ذریعہ یا تو اس قسم کی جائز آمدنیاں

ہیں یا وہ اموال ہیں جو بذریعہ جہاد حاصل ہوئے ہوں۔ شاید اس کی طرف اسی حدیث کے ان آخری الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

اَعْقِلْ یَا اَبَاذَرٍ مَا اَقُوْلُ	سمجھ اس کو اے ابوذر! جو میں کہتا
اِنَّ الْخَیْلَ فِیْ نَوَاصِیْهَا	ہوں کہ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت
اَلْبَرَکَةُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ	تک کے لئے برکت رکھی گئی ہے۔
اِنَّ الْخَیْلَ فِیْ نَوَاصِیْهَا	گھوڑوں کی پیشانی میں برکت ہے
الْخَیْرُ۔	

ارباب حدیث جانتے ہیں کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ خیر اور آمدنی کا بڑا ذریعہ گھوڑا ہے۔ یعنی مسلمان اس وقت تک فارغ البال ہیں جب تک وہ جہاد کرتے رہیں گے جس کی تعبیر گھوڑے سے کی گئی کہ عرب سپاہیوں کی سب سے اہم شے جنگ کے لئے گھوڑے ہی تھے۔ اور ابتک ہیں۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسلمانوں کی معاشی ضرورتوں پر گفتگو فرما رہے ہیں۔ اُحد پہاڑ کے برابر مخزونہ و مدفونہ دولت کے مقابلہ میں ادنیٰ نفع بخش آمدنی پیدا کرنے والی چیز (عناق) کو آپؐ نے ترجیح دی۔ پس حافظ ابن عبدالبرؒ کا یہ کہنا کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کے لئے کنز عام رکھتے تھے، کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟

ان امور کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں تو کیا کسی غلط نتیجہ پر پہنچے ہیں؟ تم خود غور کرو، کہ یہ باتیں جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں اگر صحیح ہیں اور

ان شاء اللہ ہیں، تو پھر ہمارے دعویٰ کی صداقت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟
اور جب ایسا ہے، تو پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جن غلط نویسوں نے آپ کی طرف یہ فتویٰ منسوب کیا ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ

صَاحِبُ الْمَالِ كَافِرٌ ۔ مال والے کافر ہیں۔

یہ ان کے تدبّر کا نتیجہ ہے۔ میں متحیر ہوں کہ جب سیر کی جیّد و موثق کتابیں اس فتوے سے معرّیٰ ہیں، حدیثوں میں اس کا پتہ نہیں، بلکہ ان کتابوں میں جو کچھ بھی ملتا ہے وہ اس کے خلاف ہے تو پھر یہ کیا ظلم ہے کہ بغیر تحقیق کے ایسے نفوس بھی جن کو اپنی تاریخی وسعت نظریوں پر ناز ہے، اس بے سروپا فتوے کو نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی تغلیط بھی نہیں کرتے' عفی اللہ عنہم۔
ہاں اس قدر میں بھی مانتا ہوں خاص ذہب (سونا) فضّہ (چاندی) کے متعلق آپ کا یہ خیال ضرور تھا کہ یہ جمع کرنے کی چیزیں نہیں ہیں۔

مسلکِ ابوذرؓ پر ایک اجمالی تبصرہ

میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کی تائید کرنا نہیں چاہتا، لیکن اس قدر ضرور کہتا ہوں، اگر آپ ایسا فرماتے تھے تو شریعتِ اسلامیہ میں اس خیال کے پیدا ہونے کی مناشی صحیح موجود ہیں۔
کون نہیں جانتا کہ اسلام نے سونے اور چاندی کے زیوروں کو مردوں پر حرام کر دیا ہے اور طلائی و نقرئی ظروف کے استعمال کی بھی اسلام نے مرد و عورت دونوں کے لئے قطعاً ممانعت کر دی۔ آخر یہ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے کہ سونے چاندی خود کوئی مفید چیز نہیں، بلکہ اخروی و دنیوی دونوں ترقیوں کے

یہ آئے ہیں۔ اگر کسی کے پاس دس ہزار اشرفیاں ہیں اور ان کو اس نے زمین میں دفن کردیا تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے خود اپنے نفس پر، اپنے بال بچوں پر اور قوم پر ظلم کیا، کہ جتنے دنوں تک وہ آغوشِ زمین پر سوتی رہیں گی۔ کاش ان سے نجات کی چیزیں خریدی جاتیں تو اسی عرصہ میں وہ دس ہزار سے بیس بن جاتیں۔ یا اگر انھیں خدا کی راہ میں صرف کردیتا تو ہر اشرفی کے مقابلہ میں اسے دس اشرفیوں کا قطعی فائدہ ہو جاتا جو کسی طرح زوال پذیر نہیں۔

سونے کو برتن یا زیوروں کی صورتوں میں مقید کر دینے کے یہ معنی ہیں کہ برکتوں اور آمدنیوں کے وسیع دروازہ پر قفل لگا دیا گیا۔

اس کے علاوہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس حدیث سے استدلال فرمایا کرتے تھے۔ تاویلوں اور توجیہوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد ظاہر نص کا بھی کیا یہی مقتضیٰ نہ تھا؟

اسی کے ساتھ خود قرآنِ کریم نے جس چیز کو جمع کرنے پر بنی آدم کو داغ دینے کی دھمکی دی ہے، وہ گھوڑے، گدھے، اونٹ، زمین وا موالِ تجارت کچھ نہیں ہیں، بلکہ خصوصیت کے ساتھ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	اور جو لوگ کہ سونا چاندی کو سینتے
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِیْ	ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ	کرتے انھیں دردناک دکھ کا مژدہ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ يَوْمَ يُحْمٰى	سنا دو۔ جس دن یہ چیزیں جہنم کی آگ
عَلَيْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى	میں تپائی جائیں گی۔ پھر ان کی پیشانیاں

بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ — اور پہلو اور پیٹھیں ان سے داغی
وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ — جائیں گی اور کہا جائے گا یہ وہی
لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا — ہے جسے تم اپنے لئے جوڑ کر رکھتے تھے
كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ۔ — اس کا مزہ چکھ لو۔

میں ان تاویلوں سے بے خبر نہیں ہوں، جنھیں مفسّرین اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں، مجھے علم ہے کہ بعض لوگوں نے اس آیت کو فرضیت زکوٰۃ سے پہلے کی قرار دے کر اس کی منسوخیت کا دعویٰ کیا ہے اور بعض لوگ اگرچہ اس آیت کو محکم قرار دیتے ہیں لیکن لَا يُنْفِقُونَهَا سے زکوٰۃ مراد لیتے ہیں، یعنے جو لوگ ذہب و فضہ کو بغیر زکوٰۃ ادا کئے ہوئے جمع کرتے ہیں یہ دھمکی ان کے حق میں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو ظاہری معنی پر محمول کر رہے ہیں، اور جو لوگ اس کی تنسیخ یا تخصیص خبر احاد سے کر رہے ہیں۔ ان کو اس سے روک کر یہ دعویٰ کر لیا جائے کہ ذہب و فضہ کی کل دو صورتیں ہیں، یا تو اس کو استعمال میں لاؤ، ورنہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اس کے سوا تیسری صورت کہ گھر میں یونہی ڈال دیا جائے، یعنی "کنز" بنا کر سونے یا چاندی کو رکھنا، اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، تو بتایا جائے کہ اس میں کیا ناموزونیت ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ محض بے سر و پا تھا خصوصاً جب اس تفسیر کے بعد نہ نسخ ہی کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ تخصیص النص بالخبر الواحد کی خرابی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے، نہ صرف دینی حیثیت سے، بلکہ میں تو

کہتا ہوں کہ اسلام کے گزشتہ بالا اصولِ کلیہ کو سامنے رکھنے کے بعد معاشی حیثیت سے بھی اس پر نکتہ چینی کی جرأت بمشکل ہی ہوسکتی ہے۔ علی الخصوص جب طبرانی کی اس روایت کو بھی ہم ملا لیتے ہیں تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معذوری اور زیادہ۔۔ واضح ہوجاتی ہے۔

قصہ یہ ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ایک چھوٹا سا اسلامی مدرسہ صُفّہ کے نام سے قائم تھا۔ غریب و محتاج لوگ جو مسلمان ہوتے تھے وہ اسی میں داخل ہوجاتے تھے عوام ان کی مدد کرتے اور کھانے پینے کا سامان حسبِ وسعت کردیا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک طالبِ علم کا انتقال ہوگیا غسل دینے کے لئے جب ان کا کپڑا اتارا گیا تو ان کی لنگی سے ایک اشرفی برآمد ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا ایک داغنے والا آلہ ہے اس کے بعد اور طالبِ علم کا ہوا۔ ان کی بھی جب تلاشی لی گئی تو اشرفیاں برآمد ہوئیں آپؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا یہ داغنے کے دو آلے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ محدّثین و شراح حدیث اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صفّہ کے طلبہ عموماً لوگوں پر اپنی مسکنت اور غربت ظاہر کرتے تھے لیکن جب مرنے کے بعد ان کے پاس سے نقد برآمد ہوا تو اس سے ان لوگوں کی ریاکاری ثابت ہوئی کہ باوجود ثروت کے یہ اصحابِ صُفّہ میں شریک ہوگئے تھے، جو محض مسکینوں کی جماعت تھی، خطرہ تھا کہ جب لوگوں کو یہ علم ہوجائے گا کہ صُفّہ والوں کے پاس روپے رہتے ہیں تو مستحق طلبہ بھی امداد سے محروم ہوجائیں گے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں اس تاویل کو مانتا ہوں، لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ جب حضرت ابوذرؓ کے سامنے اس قسم کے واقعات متواتر پیش ہوئے، اگر اس کے بعد انھوں نے ذہب و فضہ کے متعلق رائے قائم کی تو یہ کوئی مستبعد اور دور از قیاس نہیں ہے۔ گو عام ارباب فتاویٰ واصحاب علم کی یہ رائے نہ ہو۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوذرؓ کا مباحثہ مسئلہ کنز پر

خلافت عثمانی کا زمانہ تھا، شام کے ناظم و عامل حضرت معاویہؓ تھے، اتفاق سے ان کے عہد میں اس مسئلہ کا بہت چرچا ہوا۔ عام طور سے ارباب دُوَل حضرت ابوذرؓ سے برہم ہو رہے تھے، مزاج میں آپ کے مجذوبیت بھی تھی۔ ممکن ہے کہ کسی پر کچھ سختی بھی کی ہو، اگرچہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں، تاہم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دمشق میں ایک مسئلہ کی بدولت ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ جن لوگوں نے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کو سونے اور چاندی سے لاد دیا تھا یقیناً ان کو حضرت ابوذرؓ کا یہ فتویٰ گراں گزرتا ہوگا، کیوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوّلاً اسے کنز کی مد میں داخل کر کے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوں گے، ورنہ کم از کم زکوٰۃ کی تاکید تو ضرور کی جاتی ہوگی۔ پھر جو لوگ کہ زیوروں پر زکوٰۃ نہیں سمجھتے تھے (جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے مثلاً ابن عمر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان کو یہ مسئلہ بُرا معلوم ہوتا ہوگا۔ اور دوسروں ہی کو کیا خود امیر معاویہؓ کو یہ کیا بخشتے تھے۔

لکھا ہے کہ جب دمشق میں امیر معاویہؓ نے اپنی مشہور سبز کوٹھی "الخضراء" کی تعمیر شروع کی، تو حضرت ابوذرؓ حاضر ہوئے اور امیر معاویہؓ کو مخاطب کر کے

فرمانے لگے، تم جو یہ محل تیار کر رہے ہو تو ظاہر ہے کہ یہ خیانت ہے، اور اگر اپنے ذاتی مال سے بنوا رہے ہو، تو یہ اسراف اور فضول خرچی ہے، کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس خاموشی کے سوا اس کا کوئی جواب نہ تھا[1]

یہ بھی لکھا ہے کہ بعض موقعوں پر امیر معاویہ کی زبان سے بیت المال کے خزانے کے متعلق یہ تعبیر نکل گئی کہ یہ تو خدا کا مال ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی۔ تشریف لائے، امیر معاویہؓ سے پوچھا کہ کیوں جی، تم مسلمانوں کے مال کو خدا کا مال کیوں کہتے ہو؟ امیر معاویہؓ نے فرمایا، ابوذر خدا تم پر رحم کرے بھائی! کیا ہم لوگ اللہ کے اور اس کے بندے نہیں ہیں۔ اور مال جس کے پاس بھی جو کچھ ہے وہ اللہ کا مال نہیں ہے تو کس کا ہے، مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سننے کے بعد بھی اصرار کے ساتھ فرمایا۔ کہ ایسا نہ کہا کرو (بلکہ مسلمانوں کا مال ہی) اس کو کہو، کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ اچھا میں آئندہ اس کو مال المسلمین ہی کہا کروں گا[2]

الغرض اس قسم کی باتیں خصوصاً کنز والے مسئلہ نے رفتہ رفتہ اتنی اہمیت حاصل کی کہ حکومتِ دمشق اس سے متاثر ہوئی یعنی حضرت معاویہؓ کو مجبوراً اس میں دخل دینے کی ضرورت ہوئی۔ وہ بھی آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہی تھے خود صاحبُ الرائے والاجتہاد تھے انھوں نے حضرت ابوذرؓ کو بلوایا اور پوچھا کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے قرآن

---

[1] انساب الاشراف بلاذری ص ۱۶۵ ج ۵۔ ۱۲ [2] کامل ابن اثیر ص ۴۳ ج ۳۔ ۱۲

کی مندرجہ بالا آیات پڑھ دیں، مناظرہ کا سلسلہ جس طرح شروع ہوا، اس کے ناقل خود ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہی ہیں۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوذرؓ کا مناظرہ

حضرت معاویہؓ: آپ نے مطلب غلط سمجھا ہے یہ آیت یہود و نصاریٰ کے رہبان واحبار کی شان میں نازل ہوئی ہے، مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ؟

حضرت ابوذر: ہرگز نہیں، مسلمانوں کی شان میں ہے،

طبقات میں یہ مناظرہ صرف اسی قدر منقول ہے، لیکن تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (واللہ اعلم) یہ سمجھ رہے تھے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے، یعنی۔

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ	بہت سے اہلِ کتاب کے علمار
وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ	اور صوفیہ لوگوں کے مالوں کو جھوٹے
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ	طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کے
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راستہ سے ان کو روکتے ہیں (یعنی
❁ ❁ ❁	قبر پرستی وغیرہ میں لوگوں کو الجھا کر
❁ ❁	اپنی مٹھیاں گرم کرتے ہیں)

وہ یقیناً احبار ورہبان نصاریٰ ویہود کے حق میں ہے چوں کہ آیت وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الایۃ اسی رہبان واحبار والی آیت کے بعد ہے یہ صریحی قرینہ ہے کہ اس آیت سے بھی مسلمانوں کو کوئی علاقہ نہیں، بلکہ جو لوگ

یَاْکُلُوْنَ وَیَصُدُّوْنَ کے قائل ہیں وہی یَکْنِزُوْنَ کے بھی ہیں۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیالِ مبارک یہ تھا کہ آیت پہلی آیت سے بالکل الگ ہے، ورنہ اَلَّذِیْنَ کو مکرر کرنے کی کیا ضرورت تھی، جسطرح یَصُدُّوْنَ کو بغیر اَلَّذِیْنَ کے عطف کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی کیا جاتا یہ دلیل ہے کہ یہ آیت ہر اس شخص کے لئے عام ہے جو سیم وزر کو جمع کرتا ہے، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ واقعہ کیا ہے۔ جس آیت میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کو اختلاف ہو، بے ادبی ہوگی اگر ہم جیسے کندۂ ناتراش ان میں فیصلہ کرنے کی جرأت کریں۔ یہ ایک ذوقی چیز ہے، سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ پلّہ کس کا جھکا ہوا ہے۔

الغرض مناظرہ ہوتا رہا اور شاید ہفتوں ہوتا رہا، لیکن دونوں ایک ہی اکھاڑہ کے پہلوان تھے، ایک نے دوسرے کی بالکل نہیں سُنی، اپنی اپنی راؤں پر ہر شخص قائم رہا اور اس کا دونوں مجتہدوں کو اختیار تھا۔

کامل ابن اثیر میں قرآنی آیت کے ذکر کے بعد ایک دلچسپ آزمائشی لطیفہ بھی نقل کیا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ جب باتوں سے کام نہ چلا تو امیر معاویہؓ نے کسی کو ایک ہزار اشرفیاں دے کر رات کو حضرت ابوذرؓ کے پاس بھیجا اشرفیوں کو لے کر حضرت ابوذرؓ نے صبح ہونے سے پہلے اربابِ استحقاق میں ان کو تقسیم کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے صبح کی نماز کے بعد اسی شخص کو بلایا جو اشرفیاں لے کر حضرت ابوذرؓ کے پاس گیا تھا اور اس سے کہا کہ تم ابوذرؓ کے پاس جاؤ اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے کہنا کہ مجھے مصیبت سے نجات دلائیے۔

بڑی سخت غلطی مجھ سے ہوگئی ۔ امیر معاویہؓ نے دوسرے آدمی کے پاس یہ اشرفیاں بھیجی تھیں غلطی سے میں نے آپ کو پہنچادیں ۔ اس آدمی نے یہی کیا۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ بیٹے! معاویہؓ سے کہنا کہ تمہاری اشرفیاں تو صبح ہونے سے پہلے خرچ ہوگئیں ۔ آدمی نے یہی جاکران کو سنا دیا۔ امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ بے شک ابوذر جو کچھ کہتے ہیں ، وہی کرتے ہیں (ص۱۶۲ ج ۳) گویا اس طریقہ سے امیر معاویہؓ نے امتحان لینا چاہا تھا کہ یہ وعظ و نصیحت صرف دوسروں تک ہے یا خود بھی اس پر عامل ہیں ؟ ظاہر ہے کہ امتحان میں ابوذرؓ اگر کامیاب نہ ہوتے تو اور کون ہوتا ؟

حضرت ابوذرؓ کو سمجھانے کے لئے چند صحابہ بھیجے جاتے ہیں۔

تھک کر معاویہؓ نے چند جلیل القدر صحابیوں کو دعوت دی جن میں ذیل کے حضرات تھے :

حضرت ابو درداء ، حضرت عمرو بن العاص ، حضرت عبادہ بن صامتؓ حضرت اُمّ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب کو بلا کر آپ نے فرمایا :

کہ جس طرح ابوذرؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے آپ لوگ بھی رہے ہیں ، جس طرح ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ اور ان کے دیکھنے والے ہیں ، یہی شرف و عزت آپ لوگوں کو بھی حاصل ہے ۔ پس کیا آپ لوگ جاکر انھیں سمجھا سکتے ہو ؟ (ہماری تو وہ نہیں سنتے) سبھوں نے آپ کی درخواست قبول کی اور ایک متفقہ وفد کی صورت میں یہ لوگ حضرت ابوذرؓ کے گھر پہنچے ۔ سبھوں نے اپنے اپنے علم و عقل کے اعتبار سے

آپ کی فہمائش کی، کاش مؤرخین ان بیانوں کو نقل کرتے تو دلچسپ چیز ہوتی مگر اس وقت تک کسی کتاب میں مجھے اس کی تفصیل نہ ملی۔

حضرت ابوذرؓ نے جب سب کی گفتگو سُن لی تو سب سے پہلے حضرت عبادہؓ[1] کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے:۔

"اے ابوالولید (حضرت عبادہؓ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ہم سے ہر بات میں مقدم ہیں، آپ عمر میں بھی بڑے ہیں، ہم پر آپ کو بزرگی بھی حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بھی آپ نے زیادہ اٹھائی ہے پھر اسی پر تو زیادہ تعجب ہے اور مجھے اس وفد سے زیادہ نفرت ہوئی کہ آپ بھی اس میں شریک ہوئے (یعنی باوجود اس فضل و کمال کے آپ بھی سمجھانے آئے ہیں)"

حضرت عبادہؓ کو تو صرف اس قدر سمجھا کر چپ ہو گئے اس کے بعد علی الترتیب دوسروں کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے:

"رہے تم جی ابو دردار[2] تو وہ وقت قریب تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکۂ معظمہ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبۂ اولیٰ میں بیعت ہوئے اور منجملہ نقبار کے ایک نقیب اپنے قبیلہ کے یہ بھی تھے۔ دوسرے عقبہ اور تیسرے عقبہ سب میں یہ مکہ آئے اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو شام میں معلم اور قاضی بنا کر بھیجا حضرت معاویہؓ سے آپ کا بھی اختلاف ہو گیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے پھر آپ کو واپس بھیجا اور کہا کہ معاویہؓ تم پر امیر نہیں ہیں ۳۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ ۱۲ استیعاب

[2] آپ کا نام عویمر تھا، اپنے گھر میں سب سے اخیر میں مسلمان ہوئے۔ آپ کا لقب حکیم الاُمّت تھا۔

کی وفات کی وجہ سے تمھیں ایمان لانے کا موقع نہ ملتا مگر خیر تم ایمان لائے اور اس کے بعد سچے اور صلحائے مسلمین میں سے ہوئے (یعنی تھاری صحبت تو مختصر ہے۔ تم ہماری باتوں پر کیا نکتہ چینی کرسکتے ہو، منشار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر ہم سمجھتے ہیں۔ یقیناً وہاں تک تمھاری رسائی نہیں ہوسکتی) اور عمرو بن العاص رہے تم خود بتاؤ کہ جہاد کے علاوہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور کیا کیا ہے (یعنی فضیلت صحبت ضرور حاصل ہے۔ خصوصاً جہاد کی صحبت لیکن مسائل شرعیہ کے سمجھنے کے لئے صرف اتنی صحبت کافی نہیں ہوسکتی میں تو سالہا سال حضورؐ کی خدمت میں سفراً و حضراً رہا ہوں۔ اور تم جہاد میں۔ پس تم کو بھی مجھ پر اعتراض کا حق نہیں اور ان بیچاری اُمِّ حرام کو کیا کہوں ایک عورت ہیں، پھر انکی عقل بھی عورت کی عقل ہے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کا) جلیل القدر لوگوں میں سے تھے، جس وقت آپ کو یہ خبر ملی کہ حضرت ابوذرؓ مدینہ چھوڑ کر ربذہ چلے گئے تو فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگر ابوذر میری بوٹی بھی اڑا دیتا تو میں اس کی مذمت نہ کرتا ۳۲ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ (استیعاب)

لہ آپ ۸ھ میں اسلام لائے اسی سن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذاتِ سلاسل پر بھیجدیا اور اس کے بعد عموماً لڑائیوں پر رہے۔ سکندریہ کے فاتح آپ ہی ہیں۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جو مغالطہ ہوا اس میں آپ شریک تھے اور یہ مشہور ہے ۴۳ھ میں انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت آپکا جملہ یہ تھا کہ مجھ پر تین زمانے گذرے ہیں۔ کفر کا اور اسلام کا اور اخیر ہیں (صفحہ آئندہ پر)

اور اخیر میں آپ نے ایک جملہ فرمایا، جس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے: "کہ پس جو تم لوگوں کا حال ہے، ان' (یعنی حضرت معاویہؓ) کا بھی اس کے قریب ہے"۔ اس مفصل اور جلالی تقریر کو سن کر حضرت عبادہؓ دم بخود ہو گئے۔ اور یہ کہتے ہوئے واپس تشریف لے گئے۔

لَاجَرَمَ مَاجَلَسْتُ مِثْلَ — یقیناً میں ایسی مجلس میں کبھی نہیں بیٹھا

هٰذَا الْمَجْلِسِ اَبَدًا۔ ؎ — (جہاں ایسی ایسی کھری کھری سنائی جاتی ہو)

الغرض یہ لوگ جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس تشریف لے گئے۔ حضرت معاویہؓ کو جا کر کہہ دیا ہوگا کہ ان سے ہم لوگ باتیں نہیں کر سکتے۔

آپ کے تبحر علمی پر ایک نظر

یہ ایک بڑی سخت نادانی ہے کہ صحابہؓ آپس میں جو باتیں کرتے ہیں لوگ ان کو اپنی نسبت سے خیال کر کے شکوک و وساوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، حالاں کہ صحابہؓ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ معاصر تھے، برابری کے مدعی تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کو جو کچھ کہتے تھے ان کو اس کا حق حاصل تھا، لیکن ان کے باہمی مکالموں سے یہ نتیجہ پیدا کرنا کہ ہم بھی پھر صحابہ کی شان میں وہ الفاظ استعمال کر سکتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کا) بادشاہوں کی صحبت میں مبتلا ہوا۔ اب نہیں معلوم کہ یہ باتیں مجھے فائدہ پہنچاتی ہیں یا نقصان ۱۲۔ ؎ حضرت انسؓ کی خالہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت مانتے تھے۔ حضرت عبادہؓ کی بیوی ہیں۔ ایک جہاد میں سواری سے گر کر شہید ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو بشارت بھی بحری جہاد کی ملی تھی جس میں وہ شہید ہوئیں ۱۲۔

ہیں، نہ صرف خرد ماغی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور آپس کی مجلس کی توہین کرنی ہے۔ ہمارے لئے ہر ایک صحابی بزرگ اور ہر ایک ان میں تمام اُمّت کا سردار اور پیشوا ہے۔ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ کے الفاظ ایمان واسلام کے نگینوں کے نقوش ہیں اور مسلمان کے مومن دل پر اس کو کندہ کرلینا چاہیئے۔

ہاں یہ الگ بات ہے کہ کسی صحابی نے اگر دوسرے کو کچھ کہا تو اس کی تحقیق میں کوئی مضائقہ نہیں کہ انھوں نے کہاں تک درست فرمایا۔ اگر پتہ چل جائے تو فبہا ورنہ اپنے علم کو متہم کرنا چاہیئے سمجھنا چاہیئے کہ انھوں نے تو صحیح فرمایا ہوگا، لیکن ہم اسے سمجھ نہیں سکے یا واقعات کے نہ معلوم ہونے سے ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ نہ سکے۔ الیٰ غیر ذالک۔

بہر حال چونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس مکالمے میں فضیلت علمی کا ادعا پایا جاتا ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ مختصر لفظوں میں اس پر بھی کچھ روشنی ڈالدی جائے۔

حیدر کرار اقضی الصحابہ و بابُ العلم کی اس شہادت کو پڑھ لو اور خود غور کرو کہ انھوں نے ایسا فرمایا تو کیا غلط فرمایا۔ فرماتے ہیں:

ابوذر سخت حریص اور لالچی تھے۔ لالچی دین کی پیروی کرنے میں اور اسکی باتوں پر عمل کرنے میں اور حریص علم کے حاصل کرنے میں تھے۔[1]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۷

بہت زیادہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے۔ پھر انھیں کبھی جواب دیا گیا اور کبھی نہیں، اس پر بھی ":

قَدْ مُلِئَ لَهٗ فِی وِعَائِهٖ	ان کے لئے ان کا پیمانہ بھر دیا گیا
حَتّٰی اِمْتَلَأَ۔	حتّٰی کہ وہ لبریز ہو گیا۔

کیا علم کے دروازے کی یہ گواہی ابو ذرؓ کے دعوے کی یہ دلیل نہیں؟ خود حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی جوش میں آکر فرما دیا کرتے تھے کہ:

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت تک نہیں بچھڑے ہیں کہ فضائے آسمانی میں بازو ہلا کر اڑنے والا کوئی پرندہ نہیں رہ گیا تھا کہ ہمیں اس کے متعلق کوئی خاص بات معلوم نہ ہوئی ہو"

اگر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صداقت میں کسی کو شبہ نہیں تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ آپ کی علمی وسعتوں کا کیا حال ہو گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق

اور کون ہے جوان کی سچائی میں کوئی شاخسانہ پیدا کر سکتا ہے جب کہ خود سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو ذرؓ کی زبان و لہجہ کی صداقت کی خود تصدیق فرمائی۔ صحیح حدیث ہے:

مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا	کسی زبان والے پر آسمان نے
اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ عَلٰی ذِیْ	اپنا سایہ نہیں ڈالا، اور نہ زمین نے
لَهْجَةٍ اَصْدَقَ مِنْ	اس کا بوجھ اٹھایا جو ابو ذر سے بھی
اَبِیْ ذَرٍّ۔	زیادہ سچا ہو۔

حکم دیا گیا ہے تو بجائے بگڑنے اور خفا ہونے کے اس حکم پر آپ نے اسی وقت سر تسلیم خم کر دیا۔ اگر کوئی آپ کے پاس آکر بیٹھتا تو اسے منع فرماتے اور کہتے کہ "معاویہ کا حکم ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی نہ بیٹھے، دیکھو تم اٹھ جاؤ، میں تمھارے لئے کوئی مصیبت تیار کرنا نہیں چاہتا[1]"

ابنِ خلدون کا بیان ہے کہ فتنہ پردازوں کی ایک جماعت اس کے بعد آپ کے پاس آئی، جس نے حضرت معاویہؓ کے خلاف اُبھارنا چاہا[2] لیکن چوں کہ آپ کی وجہ سے وہاں کوئی فساد نہ اٹھا اس لئے یہ قطعی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو نکال دیا۔ بلکہ البلاذری نے انساب میں صراحۃً یہ بیان کیا ہے کہ ان فتنہ پردازوں کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہہ کر نکال دیا کہ حکومتِ وقت کا اقتدار جس کے ہاتھ میں ہے یعنی مسلمانوں کے سلطان کو جو ذلیل کرے گا پھر اس کے لئے توبہ نہیں ہے۔ فتنہ پردازوں نے یہ سُن کر اپنی راہ لی[3]

وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے حضرت معاویہؓ نے آپ سے جو گفتگو کی یا کرائی وہ محض ایک صحابی ہونے کی حیثیت سے تھی اس لئے اس کا ماننا آپ کے لئے ضروری نہ تھا۔

اور یہ حکم آپ کا بحیثیت نائبُ الخلیفہ امیر الملک ہونے کے تھا جس کی مخالفت حضرت ابوذرؓ سے ناممکن تھی۔ حضرت معاویہؓ تو ایک قرشی نژاد جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی، جسے اکثر خود

---

[1] طبقات صفحہ ۱۶۷-۱۲۔ [2] ابن خلدون صفحہ ۱۳۵ [3] البلاذری ج ۵ صفحہ ۶۵-۱۲۔

کسی تصدیق و تزکیہ کے لئے اس سے زیادہ وزن دار زیادہ روشن تاباں الفاظ اور بھی مل سکتے ہیں ؟ اور کیا اس حدیث کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ابو ذر (رضی اللہ عنہ) کے دعوے کو نبوی دعویٰ یعنی مرفوع حدیث کا حکم دیا جائے تو اصولاً کوئی مانع ہوسکتا ہے ؟

الغرض مجھے یہ کہنا ہے کہ ابو ذرؓ کے علوم و معارف کی فراخ دامانیوں کا جب یہ حال تھا تو اگر انھوں نے حضرت معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وفد کو گزشتہ بالا باتیں کہہ کر واپس کردیا تو یہ کوئی اعتراض و طعن کا مقام نہیں ہوسکتا، کان لہ قلب۔

حضرت معاویہؓ کا تشدد

حضرت معاویہؓ نے خود سمجھایا، صحابہ کو بھیجکر فہمائش کی کوشش کی لیکن جب کسی میں کامیابی نہ ہوئی اور ادھر لوگوں کی شکایتوں سے آپ گھبرا گھبرا جاتے تھے تقریباً روز مرہ ارباب ثروت و اصحاب دولت حضرات ابو ذرؓ کے خلاف عرضیاں پیش کرتے اور درخواست دیتے کہ غربار عموماً ان کی طرف ہو کر ہماری ہجو و توہین کرتے رہتے ہیں جدھر سے مالداروں کا گزر ہو، تاکی (داغ) کی آیت و حدیث ان کے سامنے غربار پڑھ دیتے جس سے خواہ مخواہ طبیعت منقبض ہوجاتی ہوگی۔

انجام کار حضرت معاویہؓ نے مجبور ہو کر مصالح ملکی کو دیکھتے ہوئے منادی کرادی کہ " ابو ذرؓ کی مجلس میں کوئی شریک نہ ہو ان کے ساتھ کوئی نہ بیٹھے[1]"

جس وقت حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر ملی کہ مجھ سے مقاطعہ کا

---

[1] طبقات ص ۱۶۶ ۱۲

بھی فرمایا کرتے تھے:

"کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے وصیّت کی ہے کہ اگر کوئی حبشی گوش بُریدہ غلام بھی تم پرامیر بنایا جائے تو اس کی اطاعت کرنا اور اسکے حکم کو ماننا۔"

اور جب ایسے غلام کی اطاعت کو پیغمبر نے آپ کے لئے ضروری ٹھہرادیا. تھا تو محال تھا کہ حضرت معاویہؓ کے حکم سے وہ سرتابی فرماتے۔ اور ان کے خلاف میں کوئی علم بغاوت العیاذ باللہ، بلند فرماتے۔

لیکن اس کا علاج نہ تھا کہ دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے آپ ان کو لاکھ منع فرماتے تھے، لیکن جو کشش آپ میں تھی وہ ان بے چاروں کو کھینچ کر آپکے قدموں میں ڈال دیتی تھی۔

اور جب وہ آجاتے تو پھر آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مشغلہ کو زندہ کرتے۔ کیوں کہ حضرت معاویہؓ نے صرف اس بات کی منادی عامۃ المسلین کیلئے کی تھی کہ وہ ان کے پاس نہ جائیں لیکن خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کو پایگاہِ نائب الحکومت سے یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے حدیثیں نہ بیان کریں، یا مسائل وفتویٰ کی اشاعت نہ کریں۔ اس لئے جب لوگ آجاتے تو پہلے ان کو اٹھاتے لیکن جب نہیں ٹلتے تو پھر ان کے سامنے کچھ نہ کچھ بیان کرتے تھے۔

آپ کی تبلیغی اُولوالعزمیاں اس وقت تک کثرت سے ایسے واقعات گزر چکے ہیں جس میں آپ کے اس ذوق کی پوری تجلّیاں موجود ہیں۔ تاہم اس لئے کہ جب خواہ مخواہ لوگ برہم ہوتے تھے

توآپ نے خاموشی اختیار نہیں کی ؟ ہم چاہتے ہیں کہ اس پر ایک مستقل لیکن مختصر تبصرہ اور آپ کے خیالات کا ایک عکس پیش کردیں ۔ صحاح میں ہے کہ آپؓ اکثر فرمایا کرتے تھے :

"کہ ابو ذرؓ کی اس رگِ گلو پر تلوار کی دھار بھی رکھ دی جائے اور کسی سچّی بات کی تبلیغ اس سے رہ گئی ہو تو اُسے نافذ کرکے رہے گا"

یہ بھی عموماً آپؓ بیان کرتے تھے :

"کہ میرے دوست (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت کی ہے کہ میں سچ بات کہوں اگرچہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو"

اسی طرح آپ کا قول یہ بھی تھا[۱]

"کہ ان لوگوں (یعنی خلفاء و امراء) کی اطاعت ہم پر ضرور فرض ہے مگر ان تینوں باتوں میں یہ مانع نہ ہوں ۔ بھلائی اور نیکی کی تعلیم دینے سے ، برائیوں کے روکنے سے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اشاعت و نشر دل کھول کر کروں[۲]"

ظاہر ہے کہ تبلیغ و اشاعت کا جذبہ جس کے سینہ اس طرح ہیجان انگیز ہو وہ لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر اگر بیقرار نہ ہو تو آخر کیا ہو ۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کے مواعظ و تذکیرات کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہے ۔ اس باب میں تمام صحابہ سے الگ تھلگ ایک خاص ذوق کے آپ مالک تھے ۔ حج کے موسم میں خصوصیت کے ساتھ آپ کا یہ تبلیغی جذبہ خاص طور پر ابھر جاتا ۔ جہاں کچھ لوگ نظر آئے

---

[۱] و [۲] مسند احمد ۱۲ ۔

اور کھڑے ہوگئے، فرماتے:

"لوگو! دوڑو، ایک مہربان بہی خواہ بھائی کی طرف میں جندب غفاری ہوں"

کبھی کعبے کی زنجیر تھامے ہوئے تقریر فرماتے:

بہرحال ممکن تھا کہ حضرت معاویہؓ خود آپ کو درس و وعظ سے روکتے لیکن ان کا دل حضرت ابوذرؓ کی قدر کرتا تھا۔ آپ ان کی عظمت اور جیسی کچھ قدر اُنکی کرتے تھے، وہ اس حکم کے نفاذ میں دامن کش ہوجاتا۔ ارادہ بھی کرتے تھے لیکن مروت و آداب مانع آجاتا۔

دربارِ خلافت سے طلبِ تائید

آخر جب خود ان سے کچھ نہ ہوسکا تو مجبور ہوکر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں انھوں نے چٹھی لکھی۔ دمشق کے لوگوں کی برہمی اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ وغیرہ کا قصّہ انھیں لکھ بھیجا اور اخیر میں لکھا:

"کہ ابوذرؓ کی وجہ سے یہاں بہت فساد برپا ہو رہا ہے آپ انھیں مدینہ منوّرہ بلوالیں[1]"

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجبوریوں کو دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خیال کیا کہ انھیں شام سے بلوالیا جائے۔ اور ایک خاص آدمی اس کام کے لئے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ حضرت ابوذرؓ کے

---

[1] طبقات صفحہ ۱۶۶ ج ۴ - ۱۲

نام بھی یہ فرمان تھا کہ " تم ابھی مدینہ چلے آؤ "

دمشق سے روانگی

جس وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرمان ملا، بلا کسی چون وچرا ولاَ ولنعم کے اسی وقت تن تنہا اس شخص کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے۔ جو آپ کو مدینے سے لینے آیا تھا حتیٰ کہ بال بچوں کے لے جانے کا سامان بھی عجلت میں آپ نہ کر سکے۔ بعد کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطمینان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی مدینہ روانہ کر دیا۔ جب آپ کے اہل وعیال مدینہ آئے تو سامانوں میں ایک کیسہ برآمد ہوا جس میں پیسے بھرے ہوئے تھے۔ مدینہ میں یہ خبر مشہور تھی کہ آپ مال جمع کرنے کے مخالف ہیں اس لئے لوگوں کو تعجب ہوا مگر جو تنقیح میں نے آپ کے مذہب کی کی ہے اس کے بعد اعتراض کب باقی رہتا ہے۔

مدینہ کا داخلہ

خود آپ ہی کا بیان ہے کہ جس وقت میں مدینہ میں داخل ہوا خلق اللہ تھی کہ ٹوٹی پڑتی تھی۔ ہر چہار طرف سے لوگوں نے مجھ کو گھیر لیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس سے پہلے انھوں نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

مدینہ میں بھی اس مسئلہ کا افشاء اور لوگوں کی برہمی

زائرین ومشتاقانِ جمالِ ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ ہجوم ایک دو دن تک محدود نہ رہا بلکہ روزانہ لوگوں کی ایک بھیڑ آپ کے گرد رہتی تھی۔ جیسا کہ آپ کی عادت تھی یہاں بھی آپ نے وعظ و پند کا دروازہ کھول دیا

لہ طبقات ص۱۶۶ ج ۴ ۔۱۲

منجملہ اور باتوں کے آپ اس ضمن میں مسئلہ کنز بھی بیان کرتے تھے۔

یہ ایک ایسا دلخراش مسئلہ تھا کہ ناسمجھ دولت مندوں کی پیشانیاں بالآخر یہاں چڑھنے لگیں، غربا، امیروں پر ٹھٹھے لگانے لگے، داغ داغ کی صدا ہر طرف بلند ہونے لگی۔

آہستہ آہستہ یہاں بھی اس مسئلہ نے زور پکڑا، مسند احمد میں صاف طور سے مذکور ہے۔

"کہ مدینہ والے آپ سے بگڑ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت شروع کی۔[1]"

بہر حال "بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست"، مخالفین نے یہاں بھی آپکو ستانا شروع کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں کثرت سے یہ آواز پہنچائی کہ:

"جس وجہ سے انھیں شام سے بلوایا گیا۔ مدینہ میں بھی آکر انھوں نے وہی سلسلہ چھیڑ دیا ہے، ایک فساد برپا ہو رہا ہے۔[1]"

دربارِ خلافت میں کعب احبارؒ سے مناظرہ

حضرت عثمانؓ نے تنگ آکر آخر آپ کو بلوایا۔

اور دربار میں کعب احبار موجود تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اشارہ کیا ان سے بحث کرو[2]۔ اور سمجھاؤ کعب احبار آگے بڑھے اور مخاطب کر کے اس طرح تقریر شروع کی۔

---

[1] طبقات ص166 ج 4۔ 12۔ [2] البلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ گفتگو کی ابتدا،

"آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذہبوں میں سب سے زیادہ آسان و معتدل شریعت اسلام کی ہے۔ اسلام کا ہر قانون انسانی قوتوں کے موافق اور ان کی فطرتوں کے مطابق ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہیکہ موسوی شریعت تمام شریعتوں میں سخت گیر ہے اور کڑی ہے۔ پھر جب کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی مال جمع کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ جب یہودیوں کو بھی اس کا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا دیں تو اسلام کی معتدل و متوسط شریعت میں یہ سخت قانون کس طرح ہو سکتا ہے ؟ کہ جو کچھ ضرورت سے زیادہ بچ جائے اسے خدا کی راہ میں لٹا دیا جائے ورنہ قیامت کے دن وہ انگارے بن کر لپٹیں گے۔"

ایک اور معارضہ کتابوں میں منقول ہے، انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی کعب احبار کے منطقی دماغ کا نتیجہ ہے۔ بہر کیف اس کا خلاصہ یہ ہے:

"کہ جب ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا کر مرے اور اپنے پاس کچھ اندوختہ نہ چھوڑے تو پھر اللہ تعالیٰ نے میراث کی آیتیں کیوں نازل کیں ؟ جب میّت کے لئے کچھ چھوڑ کر مرنا ہی جائز

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کا) ایک خاص مسئلہ سے خود حضرت عثمانؓ نے کی یعنی آپ نے حاضرین مجلس کو خطاب کرکے یہ مسئلہ پوچھا کہ مسلمانوں کے امیر اور امام کے لئے جائز ہوگا کہ بطور قرض کے بیت المال سے رقم لے اور حسب سہولت ادا کرے۔ اس پر کعب احبار نے فتویٰ دیا کہ اسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بس اس مقام سے حضرت ابوذرؓ کا رخ کعب احبار کی طرف پھر گیا۔ غالباً اس کے بعد وہ مکالمہ دونوں میں شروع ہوا۔

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

نہیں ہے تو وارثوں پر کیا چیز تقسیم ہوگی؟ الغرض قرآن کی اقتضاء النص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کل مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے۔[1]

ایک تو ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جذب غالب تھا دوسرے دونوں بحثیں قریب قریب ان کے مدعا سے محض بے تعلق ہیں۔ کیوں کہ ابھی تم پڑھ آئے ہو کہ مطلقاً مال اندوزی کے وہ مخالف ہی کب تھے؟

اور یہ کل اعتراضات اس پر پڑ سکتے ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔ آخر وسعت و فراخی کا مدار کیا صرف اس پر ہے کہ گھر میں سونا، چاندی ہو، زمین، اونٹ جانور اموالِ تجارت وغیرہ سے وسعت و فراخی حاصل نہیں ہوتی پھر اگر سونے چاندی کے دفینہ بنانے کی ممانعت میں ایسی سختی کیا پیدا ہوتی ہے جس سے اسلام کے اعتدالی مسلک پر حرف آسکتا ہے۔ اسی طرح میراث صرف زر وسیم ہی کیساتھ مخصوص ہے اور مالوں میں کیا وراثت جاری نہیں ہوتی؟

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصرار جو کچھ بھی تھا وہ محض چاندی سونے کی حد تک محدود تھا۔ اور اس کا منشا بھی وہی تھا کہ دونوں چیزیں بیکار رکھ کر چھوڑنے کی نہیں ہیں۔ اور اس میں ایسی کون سی بات ہے جسے ہم فطرتِ اسلامی پر ظلم قرار دے سکتے ہیں۔ بہر حال میں بتا چکا ہوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تدین و تمدن دونوں کے اعتبار سے کنز کو غیر مفید سمجھتے تھے اور اس آیتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، نیز اصولِ اسلامیہ سے روشنی ڈالتے تھے۔ لیکن

---

[1] روح المعانی ص۱۰۳ ج ۴ - ۱۲

کعب احبار نے مسئلہ کی لم کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منشار کے موافق نہ سمجھ کر اور یہ خیال کر کے کہ مطلقاً مال جمع کرنے کو حرام کہتے ہیں اعتراضات کر دیے اور اس پر طرّہ یہ کہ یہ بے چارے صحابی بھی نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان لائے تھے اور اعتراض بھی کیا تو اس شخص پر جس پر عام صحابیوں کو بھی نکتہ چینی اور اعتراض کی ہمّت مشکل ہی سے ہوتی ہے۔

الغرض مجموعی طور سے یہاں پر کچھ باتیں ایسی جمع ہوگئیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غصّہ تھم نہ سکا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی چھوٹا آدمی کسی بڑے آدمی پر ناسمجھی کے ساتھ اعتراض کرتا ہے اور پھر بطور پوچھنے کے نہیں بلکہ الزام دینے کے لئے تو یقیناً آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب اس میں مجذوبیت کی بھی کچھ لٹک پائی جاتی ہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جواب وغیرہ تو کیا دیتے وہیں بھرے دربار میں حضرت

لے دربارِ عثمانی میں جو گفتگو ہوئی بعضوں نے تو اس کی وہی تفصیل بیان کی ہے، جسے اصل کتاب میں میں نے درج کیا ہے لیکن کامل ابن اثیر وغیرہ میں اسی گفتگو کو جس انداز سے نقل کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان نے شام سے واپس بلا لینے کے بعد حضرت ابوذر رضؓ سے فرمایا کہ شام کے لوگ تمھاری زبان کی تندی و تیزی کے شاکی ہیں، اس کے بعد بطور فہمائش کے حضرت عثمانؓ نے کہا کہ ابوذر! ہم پر ذمہ داری جو کچھ عائد ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو باتیں ہم پر واجب ہیں انھیں ادا کریں اور رعیّت کو بھی کد و کاوش اور اعتدال اور اقتصاد کی دعوت دیں۔ لیکن ہم پر یہ تو واجب نہیں ہے کہ لوگوں کو ترکِ دنیا اور زہد پر مجبور کریں۔ یہ سنکر بجائے جواب دینے کے حضرت ابوذرؓ نے زور زور سے کہنا شروع کیا ہرگز ہرگز امیروں سے

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سونٹا اٹھا کر کہا" او یہودی[1] ! یہ کیا باتیں بناتا ہے ؟" کعب احبار نے دیکھا کہ معاملہ بگڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ کہیں ابوذر سونٹا رسید نہ کردیں۔ بے چارے بھاگے۔ حضرت ابوذرؓ کب چھوڑنے والے تھے غصہ بھرا ہوا تھا یہ بھی لاٹھی لئے ہوئے ان کے پیچھے روانہ ہوئے وہ بھاگتے جاتے تھے اور یہ کچھ برا بھلا کہتے ہوئے تعاقب کرنے لگے۔ اخیر میں تھک کر کعب احبار حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھے اور اپنے کو ان کی پشت مبارک پر ڈال دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کا) راضی نہیں ہونا چاہیے جب کہ نیک کاموں پر وہ اپنی دولت نہ خرچ کریں پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش نہ آئیں، بھائیوں کی خبرگیری نہ کریں اور رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی نہ کریں" دراصل یہی جواب تھا جو حضرت عثمانؓ کو وہ دے رہے تھے کہ میں ترکِ دنیا پر کُل لوگوں کو مجبور کرتا ہوں بلکہ امراء سے غرباء کے حقوق مانگتا ہوں۔ لکھا ہے کہ اسی موقعہ پر کعب احبار کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا کہ جس نے فرض ادا کردیا یعنی زکوٰۃ ادا کردی بس اس پر جو بات فرض تھی اس سے وہ سبکدوش ہوگیا۔ اسی نقطۂ نظر کا ابوذرؓ اور دوسروں میں فرق تھا۔ اسی پر ان کو غصہ آگیا اور کعبؓ احبار کی طرف یہ کہتے ہوئے جھپٹے کہ " اے توکون ہے جو یہاں اور اس مقام پر آکر بول رہا ہے" اسی کے ساتھ ڈنڈا بھی رسید کیا جس سے کعب کا سر کھل گیا (ص۱۲۳ ابن اثیر ج ۳)

[1] ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے غصہ میں یہ لفظ نکل گیا ہوگا کہ ایک مجذوب آدمی اس میں معذور ہے۔ ابن خلدون میں ہے کہ آپ نے " او یہود کے بیٹے " کہا۔ طبری میں بجائے " عصا " یعنی لاٹھی کے لکھا ہے کہ آپ نے " محجن " سے کعب پر حملہ کردیا ' محجن ' بھی ایک قسم کی لاٹھی ہوتی ہے جس کی نوک پر آخر میں انکس کی مانند کوئی چیز لگی رہتی ہے۔ ۱۲

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں بھی پہنچ گئے کہ گو وہ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ ضرور مانتے تھے لیکن اپنا بھائی اور ساتھی بھی تو خیال کرتے تھے۔ غرض پہنچ کر آپ نے ایک سونٹا چلا ہی دیا۔ عام روایت تو یہی ہے کہ وہ مجذوبی لاٹھی کعب ہی پر پڑی۔ لیکن بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اچٹ کر حضرت عثمانؓ کی پشت پر جا کر ٹھہر گئی۔[1]

ممکن ہے کہ ایسا ہو گیا ہو کہ اس قسم کی دھینگا مشتی میں یہ کوئی بعید نہیں ہے۔

لیکن منقول نہیں کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی پر اس سے کوئی بل بھی آیا ہو اور کس طرح آسکتا تھا، وہ خلیفہ کیا بلکہ اس زمانے میں ایشیا اور افریقہ کے سب سے بڑے بادشاہ تھے، مگر ساتھ ہی یہ بھی جانتے تھے کہ ابوذر بھی ایک طائفہ کا سرخیل ہے اور سلطان ہے جس کی گالیوں اور لاٹھیوں پر دنیا کے ہزاروں بادشاہ اپنے زر و جواہر نثار کریں گے اور پھر انھیں حسرت رہ جائے گی کہ حق ادا نہ ہوا۔

غرض یہ مجلس یونہی ختم ہو گئی اور کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

---

[1] یہ قصہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ میں نے تفسیر روح المعانی جلد ۴ ص۱۲ سے یہاں نقل کیا ہے۔ ابن خلدون نے خدا جانے کہاں سے نقل کیا ہے کہ کعب احبار کے بھی چوٹ آئی اور سر کھل گیا تھا۔ حضرت عثمان رضؓ نے اس زخم کو مانگ لیا یعنی اپنی خاطر سے معاف کرا دیا۔ انساب الاشراف میں البلاذری نے بھی کعب احبار پر حضرت ابوذرؓ کے اس جلالی طرز عمل کا ذکر کیا ہے۔ اس میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔ "او یہودی! کیا ہم لوگوں کو تو ایمان سکھاتا ہے۔" اگر یہ صحیح ہے تو اسی فقرے میں کعب احبار کی تمام اعتراضوں کا جواب مستور تھا۔ دیکھو البلاذری مطبوعہ یہودی یونیورسٹی فلسطین ص۱۶۵ ج ۵۔ ۱۲

حضرت ابوذرؓ پر حضرت عثمانؓ کی بدگمانی اور اس کی صفائی

اس مجلس سے آپ اس وقت تو اٹھکر چلے آئے لیکن اس کے بعد ایک سخت حادثہ پیش آیا۔ یعنی جن دنوں حضرت ابوذرؓ شام سے مدینہ آئے، اسی زمانہ میں عبداللہ بن سباؔ یہودی معتقداً مسلمانوں کی صورت میں ظاہر ہو کر بغاوت و سازش کی اندرونی تحریکوں میں مصروف ہو چکا تھا بلکہ ابن خلدون وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب شام ہی میں تھے اسی وقت وہ اس فکر میں اسلامی شہروں کی سیر کر رہا تھا اور مختلف صحابہؓ کو حضرت عثمانؓ کے مقابلے میں ابھارنے کی کوشش میں سرگرم تھا۔

اس فتنے کی مفصل کیفیت القاسم میں بعنوان "یہودیوں کی زبردست سازش اسلام میں" کے عنوان سے مدت ہوئی فقیر لکھ چکا ہے اس لئے میں اس کو یہاں پھیلانا نہیں چاہتا۔ تفصیلی طور پر حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فتنے کا گو علم اس وقت نہ ہوا لیکن اجمالی طور پر آپ کو اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہماری طرف سے بددل و بدگمان ہو رہی ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جس وقت آپ کو یہ علم ہوا تھا یقیناً اسی وقت آپ

لہ یہ یمن کا ایک یہودی تھا بالاتفاق مورخین اسلام نے لکھا ہے کہ منافقانہ طور پر عہد عثمانی میں مسلمان ہو جانے کا دعویٰ کر کے اسلامی ممالک میں اپنی ایک مخفی سوسائٹی کے ساتھ سازشی ایک جال بچھایا۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ خود اس کو اس کے رفقاء اور ساتھیوں کو تنگ آکر حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگ میں جلوا دیا۔ دیکھو لسان المیزان ص۲۸۹ ج۴۔

خلافت سے ہوسکتا تھا کہ دست بردار ہو جاتے۔ لیکن خدا کی مرضی یہ بھی، خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب صحابی اور عزیز داماد کو وصیت کی تھی،

"اے عثمان شاید خداوند عالم تم کو کوئی قمیص پہنائیں گے پس اگر منافقین (یعنی بن سبا و اتباعہ) تیرے بدن سے اس قمیص کو اتارنا چاہیں گے تو دیکھو تم خود اس کو ہرگز نہ اتارنا حتیٰ کہ مجھ سے آکر ملو[1]"

ظاہر ہے کہ اس قمیص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد خلافت تھی اس صورت میں ان کی کیا مجال تھی کہ اس وصیّت نبوی کے بعد بھی آپ عبداللہ بن سبا کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر فقط اپنی زندگی کو مطمئن کرنے کے لئے سریرِ خلافت چھوڑ دیتے۔ دیوانے ہیں جو ایسا سمجھتے ہیں۔ آسمان زمین پر گر جائے یا زمین پھٹ کر دنیا کو نگل جائے اس وقت بھی عثمانؓ جیسے مطیع و فرماں بردار غلام سے یہ ناممکن تھا کہ اپنے آقا صلوٰۃُ اللہ علیہ وسلامۂ کی زبانِ مبارک سے سُنے ہوئے کلمات کی خلاف ورزی کرے۔

یہ ہو نہیں سکتا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کا یہ عقیدہ جزوِ ایمان تھا کہ مضرّت وہی مضرّت ہے جسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مضرت و نقصان خیال فرمایا۔ اور فائدہ بھی وہی فائدہ ہے جسے حضورؐ نے فائدہ سمجھا ہو پس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی امید ہی بوالہوسی ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کی آنکھوں نے آفتابِ رسالت کے سامنے مصالح وقتیہ کے چراغوں کو کبھی نہیں دیکھا اور نہ دیکھنا چاہا۔ ان کی زبان میں جب کبھی جنبش

---

[1] ترمذی شریف۔ ۱۲

ہوئی تو انھیں لفظوں کے ساتھ ہوئی۔

"کہ مجھ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا ہے اور میں اس پر صبر کے ساتھ قائم ہوں اور رہوں گا"۔[1]

اور آخر یہی ہوا کہ صرف اپنے آقا کے پاسِ عہد میں، سمجھ کر اور جان کر ایک جلیل القدر رئیسِ عرب نے بصد بے کسی قرآن کے اوراق پر اپنے لہو کو بہادیا اور خوشی سے بہادیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

رفتیم باغت دلِ پُرخوں گزاشتیم   جاں رابعید گاہ تو درخوں گزاشتیم

ہوا و ہوس کے پھندوں میں گرفتار ہونے والوں کا جواب کیا ہے؟ جو عشق و مستی کی چاشنیوں سے محض نابلد ہو، وہ کیا جانے کہ کیا کرنا چاہیئے تھا۔ اور کیا نہیں کرنا چاہیئے تھا جس نے اپنے ابتدائے اسلام سے ہمیشہ اپنا طغرائے امتیاز۔

ع   اندیشۂ زیاں وغمِ سود شستہ ایم

رکھا ہو، سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر اس کے مقابلہ میں نفع وضرر کی داستانوں کو دہرا کر بیہودہ ہذیانوں سے اپنے اوراق سیاہ کرنے کے کیا معنیٰ ہیں۔؟

علاوہ انکے کون کہتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استعفا کے بعد عبداللہ بن سبا کی سازشوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ کیا عبداللہ عثمانؓ کا دشمن تھا جو اس کی امید لگائی جاتی ہے جس کی بیخ کنی کے وہ درپے تھا۔ وہ حضرتِ عثمانؓ کے بعد بھی باقی رہتا اور رہا[2]

---

[1] ترمذی [2] حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ابن سبا کان یہودیا فاظہر الاسلام وطاف بلاد المسلمین (صفحہ آئندہ پر)

خیر یہ تو ایک ضمنی بحث تھی، دل دکھا ہوا ہے اس لئے قلم رکتا نہیں ہے میرا مقصود یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے کان میں ان خفیہ چہ میگوئیوں کی بھنک پہنچی تو نظر ثاً آپؓ اس کا پتہ لگانے لگے کہ کون کون لوگ اس فتنہ میں شریک ہو رہے ھیں۔

میں ابنِ خلدون کے حوالے سے لکھ چکا ہوں کہ مفسدوں کی ایک جماعت شام میں حضرت ابوذرؓ کے پاس پہنچی تھی اور آمادۂ بغاوت کرنا چاہا تھا۔[1] ممکن ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر ہو گئی ہو۔

ادھر مناظرہ کا ایک ناگوار واقعہ اور پھر شام سے یکایک مدینہ بلوا لینا یہ چند باتیں ایسی پیش آگئیں کہ آپ کو حضرت ابوذرؓ سے بھی کچھ بدگمانی ہو گئی۔ ممکن ہے کہ آپ نے اس خطرہ کا تذکرہ کسی کے سامنے کیا ہو، بہرکیف کچھ ہو حضرت ابوذرؓ کو کسی طرح یہ خبر مل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہماری طرف سے بھی بدگمان ہیں۔

یہ سنتے ہی آپ کو جلال آگیا۔ اسی وقت آپ اُٹھے اور اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں کو لے کر سیدھے آستانۂ خلافت کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ پر اس کیفیت کے سننے سے ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ گویا مدہوش ہو رہے تھے۔ حتّٰی کہ جس دروازے سے مکانِ خلافت میں جانے کی کسی کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کا) لیفتلہم عن طاعت الائمۃ ویدخل بینہم الشر والفساد ص ۱۲۸/۲ لسان یعنی ابن سبا یہودی تھا ظاہر اسلام اختیار کر کے مسلمانوں کے شہروں میں گھومتا پھرتا تھا تا کہ مسلمانوں کو اپنے امراء کی اطاعت سے برگشتہ کرے اور باہم مسلمانوں میں شر و فساد پھیلا دے۔ ۱۲ [1] البلاذری میں لکھا ہے کہ شام ہی میں فتنہ پردازوں کا یہ گروہ حکومت کے خلاف حضرت ابوذرؓ کو کھڑا کرنے کے لئے آیا تھا۔ ۱۲

اجازت نہ تھی آپ درّہ لئے اسی میں گھس گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ کو اس طرح آتے دیکھا تو یکایک آپ پر خوف طاری ہوا لے جو خطرہ ابھی تک ظن و گمان کی حد تک محدود تھا، اس نے یقین کی صورت اختیار کر لی۔

لیکن فطری وقار و تمکنت نے بظاہر آپ کی حالت میں کوئی تغیّر پیدا نہیں کیا۔ جس طرح جلوس فرماتے تھے اسی طرح بیٹھے رہے۔

اتنے میں حضرت ابوذرؓ قریب پہنچ گئے اور سامنے آکر فرمایا۔

"السلام علیکم"، اور قبل اس کے کہ کچھ مزاج پرسی کریں، گھبرائی ہوئی آواز میں آپ نے کہا:

اَحَسِبْتَنِیْ مِنْھُمْ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔	کیا آپ مجھے بھی ان لوگوں میں گمان کرتے ہیں (یعنی مفسدوں میں) اے مسلمانوں کے امیر!

ؒ ؒ

اور اس کے بعد اس زبان نے جس سے زیادہ سچّی زبان آسمانوں اور زمین کے درمیان اور کوئی نہ تھی۔ اس طرح اپنی برارت شروع کی۔

"قسم خدا کی نہ میں ان لوگوں میں ہوں اور نہ ان کو جانتا ہوں کہ یہ

لے چوں کہ تفصیلی طور پر آپ کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ صرف شام میں ایک دفعہ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے تھے اور وہ بھی خدا جانے صحیح ہے یا نہیں بہر حال آپکا علم اس فتنہ کے متعلق صرف اسی قدر تھا جس قدر حضرت عثمانؓ کو کہ کچھ لوگ آمادۂ فساد ہیں، اور اس علم کو علم نہیں کہہ سکتے (ماخوذ از طبقات و فتح)

کون لوگ ہیں۔ ان کی علامت تو گھٹے ہوئے سر ہیں۔ وہ دین سے اسطرح دور ہوں گے جس طرح شکار کو تیر توڑ کر نکالا جاتا ہے[1]۔"

ابوذرؓ کی برات کے لئے یہ الفاظ خصوصاً جب وہ قسم کے ساتھ ہوں بہت کافی تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو عظمت و وقعت آپ کے دل میں تھی اس نے بس کرنے نہ دیا۔ آپ کو فکر اور سخت فکر دامن گیر ہوئی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل سے یہ خیال کسی طرح مٹ جائے۔

اس وقت کی بے چینی ٹھیک اس وقت کی بے چینی کے مشابہ تھی کہ کسی کا محبوب کسی سے بدگمان ہو گیا ہو۔ اور شیدائے جاں باز سر پر پاؤں رکھ کر ہر ایک ممکن العمل ذرائع سے اس کی تشفی کرنا چاہتا ہو ـــــ آبگینۂ دل احباب کی نزاکتوں کا خیال کر کے مکرر الحاح، اور التجاؤں سے اپنی صفائی پیش کر رہا ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں اور ابوذرؓ کھڑے ہو کر ارشاد فرما رہے ہیں:

"آپ اگر حکم دیں کہ پالانوں کی لکڑیوں میں لٹک جاؤں تو میں سچ کہتا ہوں کہ اسی وقت لٹک جاؤں گا اور لٹکا رہوں گا جب تک کہ آپ ہی اس کے چھوڑنے کا حکم نہ دیں[2] (یعنی باوجودیکہ یہ ایک لغو کام

---

[1] چونکہ تفصیلی طور پر آپ کو بھی اس کا علم نہ تھا صرف شام میں ایک دفعہ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے تھے اور وہ بھی خدا جانے صحیح ہے یا نہیں بہرحال آپ کا علم اس فتنہ کے متعلق صرف اسی قدر تھا جس قدر حضرت عثمانؓ کو کہ کچھ لوگ آمادۂ فساد ہیں اور اس علم کو علم نہیں کہہ سکتے (ماخوذ از طبقات و فتح)

[2] یہ تمام واقعات طبقاتِ ابن سعد سے ملتے ہیں۔

ہوگا، لیکن آپ کی خاطر و اطاعت مجھے اس درجہ منظور ہے کہ نفع و ضرر کا خیال دماغ میں آہی نہیں سکتا) اسی طرح اگر آپ فرمائیں کہ کھڑا ہو جا! تو میں کبھی نہیں بیٹھوں گا، جب تک آپ ہی حکم نہ دیں۔ (فتح الباری)

مؤرخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد حضرت عثمانؓ اٹھے اور ہاتھ پکڑ کر آپ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ وَنِعْمَ مَا قِيلَ ؎

ملتے ہی آنکھ رنج نہ تھا رشکِ غیر تھا
کیا جانے اس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے

طبقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد دیر تک دونوں میں کچھ سرگوشیاں بھی ہوتی رہیں، حتیٰ کہ کبھی کبھی آواز بھی بلند ہو جاتی تھی [1]

آخر جب یہ مجلس راز و نیاز ختم ہوگئی اور خدا جانے کن باتوں پر ہوئی کہ ادھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ بھی اسرارِ نبویہ کا گنجینہ تھا، ادھر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ پوچھنے والوں سے فریاد کرتے تھے کہ کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار دریافت کرنا چاہتے ہو، تو میں کبھی نہیں بتا سکتا [2]

جہاں دونوں طرف یہ حال ہو وہاں ما و شما کی رسائی اور وہ بھی سرگوشیوں کے موقع پر جو کچھ ہو سکتی ہے، وہ معلوم، ہاں طبقات ہی سے اس قدر اور

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۶۷ ج ۴۔ [2] مسند احمد ۱۲۔

بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جب حضرت ابوذرؓ اٹھے تو باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور مسکراتے ہوئے باہر نکلے۔ لوگوں نے پوچھا بھی کہ امیر المومنین اور آپ سے کیا باتیں ہوئیں؟ لیکن آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف اس قدر فرماتے ہوئے روانہ ہو گئے:

"سننے والا فرماں بردار ہوں، اگر مجھے وہ حکم دیں گے کہ تم عدن یا صنعار چلے جاؤ اور مجھ میں طاقت چلنے کی رہے گی تو میں اسی وقت چلا جاؤں گا۔"[1]

مدینہ سے کوچ اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کو بھی چھوڑ دیا لیکن کیوں چھوڑا۔ عام مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جلا وطن کر دیا تھا۔ مگر اس باب میں سب سے زیادہ مؤثق کتاب طبقات ابن سعد ہے۔ علاوہ بہت سی خصوصیتوں کے سب سے بڑی خصوصیت اس میں یہ ہے کہ طبقاتِ صحابہ میں سب سے پہلی اور قدیم کتاب ہے۔ بعد والوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے عموماً اسی کے رہینِ منّت ہیں، اس لئے اِس وقت جو کچھ لکھوں گا اسی سے لکھوں گا۔

طبقات میں مختلف روایتیں ہیں، لیکن یہ کسی میں نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ابوذرؓ کو جلا وطن کر دیا ہے حالانکہ یہ ایک واقعہ ہے۔ کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ابنِ سعد کو اس کی خبر کیوں نہیں۔ اور متاخرین اس پر کہاں سے

---

[1] طبقاتِ ابن سعد ۱۲۔ [2] طبقاتِ ابن سعد ۱۲۔

مطلع ہوئے۔ لیکن تھانہ والے چوروں کو پہچان لیتے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ روایت اسلامی تاریخوں میں کہاں سے داخل ہوئی اور کس غرض سے داخل ہوئی۔ آہ! کہ عبداللہ بن سبا مسلمانوں کے راستے پر نہایت احتیاط سے بیٹھا، اور اس نے وہ کام کئے جو اس کے نجدی شیخ کو بھی نہ سوجھے۔

مِثْلُ هٰذَا يَذُوْبُ الْقَلْبُ	اسی قسم کے واقعات سے بوجہ
مِنْ كَمَدٍ اِنْ كَانَ فِي الْقَلْبِ	اندوہ نہانی کے قلوب پگھل جاتے
اِيْمَانًا وَّاِسْلَامٌ	ہیں اگر ان میں ایمان اور اسلام
	کا ذرا سا بھی شائبہ ہو۔

٭ ٭ ٭

بہرکیف، ابن سعد نیز امام بخاریؒ کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مدینہ منورہ میں لوگوں کا ہجوم بہت زیادہ ہونے لگا۔ حتیٰ کہ آپ کے مشاغل میں حرج واقع ہونے لگا۔ آخر اس کا تذکرہ حضرت عثمانؓ سے کیا، اور خواہش ظاہر کی کہ مدینہ سے چلا جانا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ:

"تم ہمارے پاس چلے آؤ (یعنی جب ہمارے پاس رہو گے تو لوگ خواہ مخواہ تنگ نہیں کریں گے) شیر دار اونٹنیاں صبح و شام آپ کے پاس آیا کریں گی۔[1]"

لیکن آپ کا اصرار بڑھتا رہا، فرمایا کہ مجھکو دنیا کی ضرورت نہیں (یعنی ڈنٹونکی ضرورت نہیں) مجھے اجازت ہی دے دیں، اور وجہ بھی ظاہر تھی کہ آخر مسجد نبوی

---

[1] طبقات ابن سعد ۱۲۔

میں نماز کے لئے تو ضرور جاتے، مدینہ اس زمانہ میں دارالخلافۃ الکبریٰ تھا۔ لاکھوں آدمیوں کا اجتماع رہتا تھا، جس وقت ابوذرؓ نکلتے خواہ مخواہ لوگ پیچھے پڑ جاتے کہ دنیا کی اس وقت بھی یہی عادت ہے کہ اس قسم کے بزرگوں کے پیچھے عوام بے تحاشا دوڑتے پھرتے ہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ مدینہ کی آبادی شام تک پھیل گئی ہے اس حالت میں مجھے یہاں رہنے کا حکم نہیں ہے[1]

آخر حضرت عثمانؓ نے مجبور ہو کر فرمایا:

اِنْ شِئْتَ تَنَحَّيْتَ فَكُنْتَ قَرِيْبًا	اگر تم یہی چاہتے ہو تو پھر (مدینہ) کے کسی ناحیہ میں چلے جاؤ تاکہ قریب رہو

اس پر آپ نے فرمایا کہ:

اِئْذَنْ لِيْ اَنْ اَخْرُجَ اِلَى الرَّبْذَةِ۔	آپ اجازت دیجئے تاکہ میں ربذہ چلا جاؤں۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ ابن جریر طبری میں آخری وجہ مذکور ہے۔ الانساب الاشراف بلاذری میں گو بعض نہایت مکروہ واقعات نقل کئے گئے ہیں حضرت عثمان جیسے حیاپرور انسان کی زبان کی طرف ایسی فحش گالیاں منسوب کی گئی ہیں جنھیں آج بھی کوئی شریف آدمی اپنی زبان سے نکال نہیں سکتا لیکن غنیمت ہے کہ اسی کتاب میں مدینہ منورہ کے جلیل تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ کا قول بھی اس میں درج ہو گیا ہے یعنی سعید نے اس کا انکار کیا ہے کہ حضرت ابوذرؓ کا اخراج عمل میں آیا تھا انھوں نے فرمایا اِذَا خَرَجَ اَبُوْذَرٍ اِلَيْهَا رَاغِبًا فِيْ سُكْنٰهَا۔ یعنی حضرت ابوذر خود ربذہ میں رہنے کے لئے اپنی خواہش سے گئے تھے، ظاہر ہے کہ سعید بن المسیبؒ سے زیادہ قوی شہادت اور کس کی ہو سکتی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ اچھا آپ وہاں جا سکتے ہیں۔ میں بیت المال سے کچھ اونٹنیوں کو دودھ کے لئے آپ کے پاس بھیج دوں گا[1]

لیکن ابوذرؓ کی غنی طبیعت نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ قریش کے نوجوان جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے ان کو مخاطب کرکے آپ نے فرمایا:

دُوْنَكُمْ مَعَاشِرَ قُرَيْشٍ دُنْيَاكُمْ فَاعْذِمُوْهَا لَا حَاجَةَ لَنَا فِيْهَا

قریشیو! اپنی دنیا کو تم لو اور اسے خوب زور سے تھامو، ہمیں اس کی ضرورت وحاجت نہیں۔

یہ فرما کر آپ حضرت عثمانؓ سے رخصت ہوئے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ زہد عیسوی کا جو کامل نمونہ تھا۔ محمّدی مسیحیت کا وہی مظہر اتم اپنی آخری زندگی گزارنے کے لئے اسی صحرا کی طرف روانہ ہوگیا۔ جہاں سے پھر کہیں منتقل نہیں ہوا۔

ربذہ ذات عرق سے جو سڑک مکّہ معظّمہ گئی تھی۔ ٹھیک اسی کے کنارے ربذہ ایک مختصر سے گاؤں کی صورت میں آباد تھا اور مدینہ منورہ سے کل تین منزل دور تھا۔

اصمعی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ نجد کا تذکرہ کرتے ہیں اس کے عرار وبہار[2] کی روح پرور نسیم پر سر دھنتے ہیں حالانکہ نجد کا سب سے عمدہ قطعہ شرف ہے جس میں

---

[1] ابن سعد ۱۲ [2] عرار وبہار نجد کے دو خوشبودار پھولوں کے نام ہیں۔ عرب کے شعراء اس کے بہت دلدادہ تھے۔

نجد کا جگر سمجھتا ہوں، اسی خطۂ شرف میں ربذہ بھی شامل تھا۔ شرف میں جو خاص سرکاری رکھت تھی ربذہ اس کے داہنے جانب پر واقع تھا[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی جس طرح کی ہوگئی تھی، حقیقت یہ ہے کہ اس کے مناسب ربذہ سے زیادہ موزوں مقام مدینہ منورہ کے نواح میں بمشکل ہی میسر آسکتا ہے۔ ع

جامہ بود کہ بر قامتِ او دوختہ بود

کائنات کے بادشاہ کا روضۂ مبارک بھی سامنے تھا اور جس قسم کے فتن اور مفاسد کا زمانہ آرہا تھا اس سے بھی آپ کو گونہ علیحدگی ہوگئی، جس کی وصیت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کی تھی۔ حضرت ابوذرؓ ہی راوی ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیت

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ	جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ
مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ	اس کے لئے مخلص نکال دے گا
مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔	اور اس کو اس جگہ سے رزق دے گا
	جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہوگا

بار بار تلاوت فرما رہے تھے۔ حتّٰی کہ اخیر میں آپ پڑھتے پڑھتے تھک گئے گویا آپ پر غنودگی سی طاری ہوگئی، عین اسی حال میں آپؐ نے اس طرح گفتگو شروع کی۔ ابوذر! اگر تم مدینہ سے نکالے گئے تو کہاں جاؤ گے؟

---

[1] معجم البلدان ۱۲۔

حضرت ابوذر: میں تلاشِ رزق اور فراخیٔ معاش کے لئے مکّہ کے کبوتروں میں شامل ہوکر کوئی کبوتر بن جاؤں گا (یعنی مکّہ چلا جاؤں گا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: اگر وہاں سے بھی تم کو نکلنا پڑا تو پھر کہاں جاؤ گے؟

حضرت ابوذرؓ: شام کی پاک ومبارک زمین کی طرف روانہ ہو جاؤں گا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: اگر وہاں سے بھی نکلے؟

حضرت ابوذر: تو پھر تلوار اپنے کاندھوں پر اٹھالوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: نہیں ایسا نہ کرنا۔ فرمانبرداری اور اطاعت کرنا۔ اگرچہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر حاکم کیوں نہ ہو[1]

پس انھوں نے ایسا ہی کیا، فساد وجدال کا زمانہ آنکھیں دکھا رہا تھا عبداللہ بن سبا کے ذریعہ جو شعلہ مصر کے آتش دان سے بھڑک رہا تھا اسکی گرمی مدینہ منورہ میں بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسے وقت میں حضرت ابوذرؓ نے عزلت گزینی پر اگر عمل کیا تو درحقیقت یہ حضورؐ ہی کے ارشاد کی تعمیل تھی آنحضرت صلعم اس فساد کی خبر دے چکے تھے۔

مسندِ احمد میں ہے کہ آپؐ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرکے ایک دن فرمایا:

یَا اَبَاذَرٍ اَرَئیتَ اِنْ قَتَلَ	اے ابوذرؓ! تو کیا کرے گا جب
النَّاسُ بَعْضُھُمْ بَعْضًا	آپس ہی میں ایک دوسرے کو

---

[1] مسند احمد ۱۲۔

حتى تغرق حجارة الزيت
من الدماء كيف تصنع
قال الله ورسوله اعلم
قال اقعد في بيتك واغلق
عليك بابك۔ قال فان لم
اترك قال فأت من انت
منهم فكن فيهم قال فآخذ
سلاحي، قال اذاً اشاركهم
فيما هم فيه ولكن خشيت ان
يؤذيك شعاع السيف
فالق طرف ردائك على
وجهك حتى تبوا باثمه
واثمك۔

قتل کرنا شروع کردیں گے حتیٰ کہ (اس قدر خون بہایا جائے گا کہ، حجارۃ الزیت (مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے) کی زمین خون میں غرقاب ہو جائے گی۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں کہ مجھے اس وقت کیا کرنا چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھر بیٹھ جانا اور دروازہ بھیڑ لینا حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ اگر وہ ہمیں نہ چھوڑیں؟ آپ نے فرمایا، تب جن لوگوں سے تم ہو ان کی جماعت میں آکر مل جانا۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا تو کیا میں تلوار اٹھاؤں گا۔ حضورؐ نے فرمایا اس وقت تم بھی فساد میں شریک ہو جاؤ گے (یعنی ایسا نہ کرنا) اور اگر تم کو تلواروں کی چمک سے خوف معلوم ہو تو اپنے چادر کے پلّے سے مُنہ ڈھانک لینا تاکہ تم پر حملہ کرنے والا تمہارا اور اپنا گناہ لے کر واپس ہو۔

کس قدر سیاہ اور ناپاک الزام ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے ان کو ربذہ میں نظر بند کر دیا تھا[1] حالانکہ واقعہ جو کچھ بھی ہے کچھ تو سُن چکے اور آئندہ بھی تمھیں معلوم ہوگا۔ خود ابو ذرؓ سے بعض لوگوں نے آکر پوچھا کہ تم ربذہ کس طرح آئے اور کیوں آئے، اس کے جواب میں آپ نے اجمالی طور پر واقعات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"کہ میں شام میں تھا، وہاں مجھ میں اور معاویہ میں آیت وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الآیہ میں اختلاف ہوگیا۔ معاویہ کہتے تھے کہ یہود و نصاریٰ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور میں کہتا تھا کہ ہماری اور ان کی دونوں کی شان میں ہے۔ اس پر بات بڑھ گئی۔ انھوں نے حضرت عثمان رضؓ کے پاس میری شکایت کر دی (حالانکہ حضرت معاویہ کو اخراج کا اختیار خود بھی حاصل تھا مگر یہ محض ادبا تھا) عثمان رضؓ نے لکھا کہ "مدینہ چلے آؤ"، میں مدینہ آگیا۔ یہاں اسقدر ہجوم مجھ پر ہونے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انھوں نے اس سے پہلے مجھ کو دیکھا ہی نہ تھا۔ عثمان رضؓ سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا

---

[1] البلاذری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ سے کسی نے کہا کہ حضرت ابوذرؓ کو ربذہ آپنے جلا وطن فرما دیا سُن کر فرمانے لگے سبحان اللہ قطعًا جو باتیں لوگ پھیلا رہے ہیں ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی ہے ہم ابوذرؓ کی بزرگی اور فضل کو خوب جانتے ہیں مسلمان ہونے میں انکو سبقت کا جو شرف حاصل ہے اس سے بھی واقف ہوں۔ ہم لوگ (یعنی رسول اللہؐ کے صحابہ) ابوذرؓ سے زیادہ کسی کو شوکت و عزت میں وزندار نہیں سمجھتے۔ اصل الفاظ یہ ہیں ما کنا نعد فی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اھل شوکۃ منہ البلاذری ج ۵ ص ۵۶)

انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر جی چاہے تو آپ ربذہ چلے جائیں تاکہ قریب بھی رہیں (یعنی لوگوں کی بھیڑ سے نجات بھی مل جائے اور ہمارے قریب بھی رہیں گے) پس فقط اتنی بات مجھے یہاں لائی ہے[۱]

آپ کا یہ بیان اگرچہ بہت مجمل ہے جس کی تفصیل بھی آپ کے ہی دوسرے بیان سے کرچکا ہوں۔ میری غرض صرف اس قدر ہے کہ آپ خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام نہیں لگاتے تھے تو دوسروں کو کیا حق ہے کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامنِ امانت پر اس واقعہ کا داغ قائم کریں۔

کس قدر عجیب ہے کہ اگر کسی مصلحت سے حضرت عثمانؓ نے آپکو مدینہ سے الگ کیا ہوتا تو پھر ربذہ میں کیوں رہنے کا حکم دیتے۔ مدینہ اور ربذہ میں فاصلہ ہی کتنا ہے۔ علاوہ اس کے ربذہ ایک ایسا مقام تھا جہاں سے ہر سال ربذہ کے مسافر لاکھوں کی تعداد میں مکہ معظمہ جایا کرتے اور حاجیوں کی گویا وہ فرودگاہ بھی تھی ایسے مخدوش آدمی کو ایسی گزرگاہ میں قید کرنا کس قدر قرینِ عقل و دانش لگتا ہے۔ خصوصاً جب اربابِ تاریخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ربذہ سکونت اختیار کرنے کے بعد بھی كَانَ اَبُوْذَرٍ يَتَعَاهَدُ الْمَدِيْنَةَ مَخَافَةَ اَنْ يَعُوْدَ اَعْرَابِيًّا (ص۳۳، ابن اثیر، ج ۳) یعنی مدینہ منورہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لئے آتے

[۱] طبقات ابن سعد ۱۲۔

جاتے رہتے تھے کہ کہیں گاؤں میں رہنے سے ان کے اندر دہقانیت اوربداوت نہ پیدا ہو جائے) اور سچ تو یہ ہے کہ شام کی چھاؤنی میں جب وہ تھے اس وقت بھی جب ان سے صبر نہ ہوسکتا تھا بھاگ بھاگ کر اپنے محبوب رسولِ پاکؐ کے روضے کی زیارت کو آتے رہتے تھے، خلیفۂ وقت سے رخصت حاصل کر کے قبۂ خضرا کی مجاورت کر کے اپنی مضطرب روح کے سکون کا سامان پیدا فرماتے رہتے تھے تو مدینہ سے اتنی نزدیک جگہ ربذہ میں رہ کر ان سے صبر کی کیا توقع ہوسکتی تھی۔ اعرابی اور دہقانی ہونیکا اندیشہ، یہ بھی ایک مجذوبانہ لطیفہ تھا۔ راہِ عشق کی رسوائیوں کا وہ بھی ایک نام نہاد پردہ تھا۔ حضرت ابو ذرؓ سے بعض کتابوں میں یہ فقرہ جو منقول ہے کہ ہجرت کے بعد عثمانؓ نے مجھے پھر اعرابی (دہقانی) بنا دیا۔ یہ بھی ایک جذبی لطیفہ ہی ہے[1]

حقیقت یہ ہے کہ دجاجلہ و وضاعین الحمد للہ کہ اس قدر غبی اور بد حافظہ ہوتے ہیں کہ باتیں ضرور بناتے ہیں۔ لیکن اس درجہ خام اور جھوٹ ہوتا ہے کہ چند جرحوں میں ان کی کل دروغ بافیوں کے تار پود بکھر جاتے ہیں[2] فَلَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔

بہرکیف یہ معاملہ اس درجہ بدیہی اور صاف ہے کہ جو واقعات آئندہ میں درج کروں گا، ان شاء اللہ اسی میں ان تمام بہتانوں کی پوری تردید ہوگی بالفعل میں ربذہ کی آبادی وغیرہ اور آپ نے جس طرح اپنی زندگی

---

[1] دیکھو البلاذری ص ۵۴ ج ۵ [2] یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابوذرؓ اور حضرت عثمانؓ کی (صفحہ آئندہ پر)

وہاں گزاری اس کا خاکہ پیش کرتا ہوں۔

ربذہ کی آبادی

میں بتاچکا ہوں کہ ربذہ شرفِ نجد کا ایک پُرفضا قطعہ تھا جہاں سرکاری رکھت بھی تھی اور یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ ذاتِ عرق سے جو سڑک مکہ مکرمہ کو جاتی تھی، اس کے کنارے وہ واقع تھا۔

مسافروں کی ایک منزل وہاں بھی ہوتی تھی ان ہی وجوہ کی بناپر ایک معمولی سی چوکی خلافت کی جانب سے وہاں قائم تھی، جو رکھت کی حفاظت اورراہ گیروں کے امن وامان کی ناظم تھی۔ چوکی پر ایک افسر مقرّر تھا اور کچھ اس کے ساتھ عملہ بھی تھا۔ ان ہی سب سے مل کر اس نے ایک گاؤں کی صورت اختیار کرلی تھی۔

حافظ ابن حجرؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بھی بیت المال کے اُونٹ وغیرہ یہاں رہتے تھے

(حاشیہ گزشتہ صفحہ کا) باہمی سوءِ مزاجی کے قصّوں کو بتدریج پچھلی تاریخوں میں بہ نسبت ان کتابوں کے جو عہدِ صحابہ سے زیادہ قریب ہیں، خوب رنگین کیا گیا ہے۔ الیعقوبی نے تو حضرت ابو ذرؓ کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں، جن سے بجائے صحابی ہونے کے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان فرقوں میں سے ایک خاص فرقہ کے عقائد رکھتے تھے جو بعد کے مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔ ان واقعات کے پڑھنے میں ہمیشہ یہ دیکھ لینا چاہیے کہ کتاب کا مصنف کسی خاص فرقہ کا آدمی تو نہیں ہے۔ خصوصًا ایسے فرقوں کا جو اپنے مدعا کے مطابق بات بنا لینے کو ثواب سمجھتے ہیں اس لئے علّامہ ابنِ جریر طبری اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ یہ نہایت مکروہ باتیں ہیں جن کا ذکر میں بھی پسند نہیں کرتا۔ ج ۵

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ریوڑوں کی حفاظت کے لئے یہاں کبھی کبھی آکر سکونت[1] پذیر ہو۔تے تھے ان کا یہ خیال بھی ہے کہ چونکہ اس مقام میں حضرت ابوذرؓ پہلے بھی رہ چکے اور یہاں سے مانوس تھے، اس لئے بھی آپ نے اور مقاموں سے اسی کو ترجیح دے کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ میں وہیں جاؤں گا۔ بہر کیف جس زمانہ میں آپ یہاں تشریف لائے، تو وہاں کے افسر نظم ونسق ایک حبشی غلام مجاشع[2] نامی تھے۔ مردوں کی آبادی تقریباً بارہ تھی۔ کچھ عورتیں بھی تھیں جن کی صحیح تعداد مجھے معلوم نہ ہو سکی۔ ان لوگوں کیلئے خلافت کی طرف سے ایک مسجد بھی بنوادی گئی تھی۔ بعضوں نے لکھاہے کہ مسجد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے بنوائی تھی[3]

ربذہ کا قیام۔ سامانِ زندگی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سالانہ وظیفہ دربارِ خلافت سے چار ہزار درہم تقریباً نوسو روپیہ[4] مقرر تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کے ساتھ

---

[1] فتح الباری ج ۳۔ علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ربذہ ہی بھیجا تھا[2] تاریخ ابن اثیر ۱۲

[3] طبری کامل ابن خلدون، سب نے یہی کہا ہے۔ طبری میں ہے " ز نختط بہا مسجدًا۔ یعنی ربذہ میں حضرت ابوذرؓ نے ایک مسجد کی داغ بیل ڈالی اور اسے تعمیر کیا۔ ۱۲ [4] عام کتابوں میں حضرت ابوذرؓ کی عطا یعنی تنخواہ کی مقدار بھی بتائی گئی ہے۔ لیکن الذہبی نے اپنی کتاب دُوَلِ اسلام میں لکھا ہے کہ سالانہ عطا حضرت ابوذرؓ کی چار ہزار دینار تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں (اگلے صفحہ پر)

یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ چند شیر دار اونٹنیوں کو آپ کے لئے خاص کر دیا جائے لیکن جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو، آپ نے لینے سے خود انکار کر دیا۔ پس مستقل آمدنی یا سرمایہ جو کچھ سمجھو ان کے پاس یہی تھا۔ اس سے آپ نے مختصر سامان خریدا تھا جس کی تفصیل یہ ہے۔ دو گدھیاں، چند گدھے۔ چند اونٹ سواری اور پانی لانے کے لیے۔ کچھ بکریاں جن کی تعداد مجھے معلوم نہ ہو سکی، دو غلام ایک چھوکری۔ طبری میں ہے کہ سرکاری عمال جو ربذہ میں تھے حکومت کی طرف سے روزانہ ان کے لئے چند اونٹ ذبح ہوتے تھے اور حضرت ابو ذرؓ کو بھی اس سے ایک حصّہ ملتا تھا۔ (ص۲۸۵ ج ۵)

وہاں بھی مکان حسبِ دستور آپ نے اینٹ و مٹی کا نہیں بنایا۔ کملوں کا ایک جھونپڑا ڈال لیا تھا۔ قریب ہی آپ نے ایک تالاب بنوا لیا تھا جس میں برسات کا پانی جمع ہو کر ذخیرہ ہو جاتا تھا۔ آنے جانیوالے مسافر اور ان کی سواری کے جانوروں کا کام بھی اس تالاب کے پانی سے چلتا تھا اور ربذہ میں جس زمین پر آپ کاشت کرتے تھے اس کی سیرابی اور جو نخلستان تھا اس کی بھی سیرابی اسی سے ہوتی تھی۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دوسرے مشہور کاشت کار

(باقی گزشتہ صفحہ کا) مقدار بہت بڑھ جاتی ہے۔ دیکھو مختصر دُول الاسلام ذہبی ص۱۲ مطبوعہ دائرۃ المعارف میرے خیال میں الذہبی ہی کا بیان صحیح ہے ۱۲ لہ لیکن طبری وغیرہ میں ہے کہ اونٹ کا ایک "صرمہ" (گلّہ) آپکے لئے حضرت عثمانؓ نے مختص کر دیا تھا اور دو غلام بھی ساتھ کر دیئے تھے۔ ۱۲

صحابی رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدینہ چھوڑ کر ربذہ میں آبسے تھے۔ الطبری نے اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ان دونوں نے کوئی بات سنی تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی تھی جس کی تشریح پورے طور پر توان سے نہیں کی گئی تھی لیکن دونوں کی سمجھ میں یہی آیا اور ربذہ آنے پر دونوں متفق بھی ہو گئے۔ طبری ص۶۷ میرا خیال ہے کہ کاشتکاری اور باغبانی کے اس ذوق میں جسے ربذہ میں حضرت کے اندر پاتے ہیں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خاندانی ذوق کو بھی غالباً دخل تھا کیوں کہ ان ہی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے خاندان سے بڑا کاشت کار عہد نبوت میں اور کوئی نہیں تھا۔

اہل وعیال بہر حال ربذہ میں آپ کے ساتھ ایک تو آپ کی حرم محترمہ اور دوسری آپ کی صاحب زادی صاحبہ تھیں۔ کیوں کہ بچے تو بہت پیدا ہوئے لیکن عموماً کسنی میں انتقال فرما گئے۔ حلیہ میں ابونعیم نے بچوں کے مرنے کے متعلق آپ کا ایک عجیب فقرہ نقل کیا ہے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ ابوذرؓ آپ کے بچے زندہ کیوں نہیں رہتے؟ آپ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ یَاْخُذُهُمْ	شکر ہے اللہ کا جس نے ان بچوں کو
فِیْ دَارِ الْفَنَاءِ وَیُدَّخِرُهُمْ	فانی گھر سے لے لیا اور باقی رہنے
فِیْ دَارِ الْبَقَاءِ۔	والے گھر کے لئے ان کو ذخیرہ بنالیا۔

شاکر ہر حال میں شکر کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اور صبر تو اپنے تمام ثمرات کے ساتھ وہ اپنے مقام پر قائم ہی ہے۔ اولاد کے لئے لوگوں نے آپ کو

دوسری بیوی کرنے کا مشورہ دیا، لیکن راضی نہ ہوئے۔ آخر عمر میں آپ کا خاندان ان ہی دو عورتوں (بیوی اور بیٹی) اور خود آپ کی ذات سے عبارت تھا۔

الغرض ربذہ کی وادی میں ایک سرمست خمخانۂ حجاز کا مخمور الست اپنی زندگی انھیں سامان پر گزار رہا تھا۔ اور خوش تھا کہ دنیا کے تمام جھگڑوں سے اسے نجات مل گئی تھی۔ شہروں کے شوروغوغا سے الگ ہوکر روحانی مسرتوں کی لذت اندوزیوں میں باطمینان مصروف تھا سطحی نگاہوں میں گو موجودہ حالت مسکنت وافلاس کی تھی، لیکن ژرف نظروں سے پوچھو، ان سے دریافت کرو، جو کسی نرگسِ مست کی غلامی لکھوا چکے ہوں، اور کسی کے بادۂ لعل سے دل و جان کو خراب کر چکے ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں ؎

غلامِ نرگسِ مست تو پادشاہانند

خرابِ بادۂ لعل تو ہوشیارانند

بہرحال ربذہ میں آپ کے پاس جو کچھ تھا اوروں کے نزدیک وہ کافی ہو یا نہ ہو، لیکن ان کے غنی دل نے ہمیشہ اس کو کافی خیال کیا۔

شام کے گورنر حبیب بن مسلمہ نے ایک دفعہ آپ کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں اور لکھ بھیجا:

اَعِنْ بِهَا عَلٰى حَاجَتِكَ — اپنی ضرورتوں میں ان سے مدد لیجئے

لیکن حضرت ابوذرؓ نے قاصد کو جواب میں کیا کہا:

"ان اشرفیوں کو تم ان ہی (یعنی حبیب) کے حوالے کر دینا اور کہنا کہ ان کو مجھ سے زیادہ غریب آدمی نہیں ملتا، خدا کے فضل سے میں

ایک سائبان رکھتا ہوں جس کے سائے میں میں آرام کرتا ہوں۔
بکریوں کے ایک گلے کا بھی مالک ہوں جو دن بھر چر کر شام کو میرے
گھر آجاتی ہیں (اور دودھ کی ان کی وجہ سے ریل پیل ہوجاتی ہے)
ایک کنیز بھی ہے جو میرے کام کاج میں میرا ہاتھ بٹاتی ہے۔ اسکے
بعد دوراز کار مال مجھے درکار نہیں[1]"

اپنی اس باطنی امارت، اندرونی دولت پر آپ کو اتنا ناز تھا کہ کبھی کبھی
چھلک پڑتے اور فرماتے:

بنی امیہ کے امرا مجھے فقر اور افلاس سے ڈراتے ہیں، حالانکہ
فقر تونگری سے مجھے زیادہ محبوب ہے[2]"

نہ صرف دعویٰ تھا بلکہ عمل اس کی تصدیق کرتا تھا۔ آپ کی روش اس کی
شہادت دیتی تھی۔

---

[1] حبیب بن مسلمہ صحابی تھے یا تابعی لوگوں کا اسمیں اختلاف ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر بارہ سال تھی، بہرحال حضرت معاویہؓ کی ماتحتی اور ان کے اشارے سے **رومی علاقوں** پر انھوں نے بڑی بڑی مہمیں سر کیں۔ رومیوں کے ساتھ اسی جہاد کے شغف کی وجہ سے پیار سے حضرت ابوذرؓ ان کو "حبیب الرّوم" کہا کرتے تھے یعنی یورپ والا حبیب یہی لقب حبیب کا عوام میں مشہور ہوگیا۔ آرمینیہ کی مہم میں وفات پائی اور اسی علاقے میں مدفون ہیں لکھا ہے کہ ان کا شمار ان لوگوں میں تھا جن کی دعا کبھی رد نہیں ہوئی (تہذیب التہذیب)

[2] حلیۃ الاولیاء۔ لابی نعیم انساب الاشراف میں بھی اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے ۱۲

رَبذہ کی مہمان نوازیاں مثلاً مختصر سامانوں کے ساتھ بھی آپ کا حال یہ تھا کہ عموماً آپ مسافروں کو اپنے پاس ٹھہرا لیا کرتے، اور جس طرح بن پڑتا اپنی وسعت کے موافق خاطر و تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ ایک جلیل القدر تابعی کا بیان ہے کہ:

ربذہ میں حضرت ابوذرؓ کے یہاں بہت سے مہمان اُترے ہوئے تھے رات کا وقت تھا۔ آپ خود اُٹھے اور جس قدر بکریاں تھیں ایک ایک کرکے آپ نے سب کا دودھ خوب نچوڑ نچوڑ کر نکالا، حتیٰ کہ کوئی تھن باقی نہ رہا اس کے بعد گھر سے جاکر کچھ کھجوریں لے آئے، جو کچھ دودھ تھا اس کو اور کھجوروں کو لے کر مہمانوں کے سامنے حاضر ہوگئے اور نہایت دردناک لہجے میں آپ نے ان کو سامنے بڑھا کر فرمایا، کاش! اس سے بہتر چیز اگر میرے پاس ہوتی تو اسے آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا۔ مہمانوں کی تعداد چونکہ زیادہ تھی اس لئے نہ تو دودھ ہی کا ایک قطرہ بچا اور نہ ایک کھجور ہی باقی رہی۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رات میں کوئی چیز اپنی زبان پر نہیں رکھی[۱]۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور صرف یہی نہیں عموماً آپ کی یہی عادت تھی۔ طبقات میں ہے کہ عیسٰی بن عمیلہ الفزازی کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے جس نے ابوذرؓ کو دیکھا تھا بیان کیا کہ

يَحْلِبُ غُنَيْمَةً لَهُ فَيَبْدَأُ بِجِيْرَنِهِ وَاَضْيَافِهِ قَبْلَ نَفْسِهٖ[۲]	اپنی بکریوں کا دودھ نکالتے اور اپنے نفس سے پہلے اپنے پڑوسیوں اور مہمانوں پر تقسیم کرتے تھے۔

---

[۱] طبقات ص۱۶۷ ج ۴ مطبوعہ لندن ۱۲

اور یہ واقعہ تو گزر ہی چکا کہ مہمانوں کو سیر کرنے کی غرض سے آپ نماز میں مشغول ہو گئے۔ جب ان کا پیٹ بھر گیا، تب نماز سے فارغ ہو کر ان کیساتھ شریک ہوئے۔ یہ واقعہ بھی ربذہ ہی کا تھا۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام سے ملنے کی اُمید

الحاصل ربذہ میں آپ کی زندگی نہایت بشاشت اور مسرّت سے گزرتی تھی کہ جو آپ کی سچی آرزو تھی، وہ یہاں بخوبی پوری ہو رہی تھی وہ فرصت میسّر آئی جس کے بعد یک سوئی و یک دلی کے ساتھ ع

بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کئے ہوئے

سے ان کو کون روک سکتا تھا۔ صاحبِ "حلیہ"، محمد بن واسع سے ناقل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ خاص کر بصرہ سے بقصدِ ربذہ روانہ ہوا، تاکہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان مشاغل کو آپ کی حرمِ محترمہ صاحبہ سے دریافت کروں جن میں ربذہ کی زندگی گزاری بیوی صاحبہ نے ان کی مصروفیت کا صرف اس قدر جواب دیا:

كَانَ النَّهَارَ اَجْمَعَ يَتَفَكَّرُ — دن بھر تصوّر و تفکّر میں گزرتا۔

لیکن توبہ کے ابتدائی ایام میں جو خدا کی مرضی اور عدم مرضی کے علم حاصل کرنے سے قبل خود اپنے دل سے رات رات بھر اپنی خود ساختہ نماز پڑھا کرتا ہو، اور اتنے انہماک سے پڑھتا ہو کہ آخر میں بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہو، راتوں کو کیا حال ہوگا۔ جب وہ سب کچھ جاننے کے بعد وہاں جانے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ جہاں جانے سے سب ڈرتے ہیں۔ اُمرائے[1] بنی اُمیّہ کے

[1] اُمرائے بنی اُمیّہ سے مراد در اصل اس موقع پر وہی طبقہ ہے جس نے حضرت عثمان رضؓ (صفحۂ آئندہ پر)

متعلق کبھی یہ بھی فرماتے۔

"مجھے قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں، حالاں کہ اب زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ گویا ؎

مجھے ڈراتے ہو موت سے کیا   میں اپنی زندگی ہی سے ڈر چکا ہوں

اور سچ تو یہ ہے کہ جو زندگی ہی سے ڈر گیا پھر اسے کسی چیز سے کوئی کیا ڈرا سکتا ہے؟

پچھلی زندگی آخرت کا خیال رندہ کے اس عالم خلوت میں آپ پر اس درجہ مسلط تھا کہ آخر میں اس نے جذب کا رنگ اختیار کر لیا تھا، شاید اسی جذبی اثر کا نتیجہ تھا کہ جو ابن سعد نے آپ سے نقل کیا ہے کہ کبھی آپ یہ بھی فرماتے کہ" میری پتلی ہونے والی ہڈیاں اور سپید ہونے والے بال ناامید نہیں کرتے کہ میں عیسیٰ علیہ السلام

(حاشیہ گزشتہ صفحہ کا) کی نیکیوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خود اپنے آپ کو جو کچھ رسوا کیا ہے۔ کیا ہی مصیبت یہ ہوئی کہ ان کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کی طرف سے ایک خاص طبقہ میں خواہ مخواہ بدگمانیاں پیدا ہو گئیں انساب الاشراف میں البلاذری میں لکھا ہے کہ مروان اور حارث بن الحکم بن معاص وغیرہ نے عہد عثمانی میں بڑے بڑے رقوم حاصل کئے گو اس سلطنت گیری کے لحاظ سے وہ چنداں اہمیت نہیں رکھتے تھے بعضوں کو چالیس پچاس ہزار مل گئے اور جو اسلامی حقوق زکوٰۃ خیرات کے ان پر عائد ہوتے تھے ان سے لاپروائیاں برتنے لگے تو حضرت ابوذرؓ "کنز" کے قرآنی خیازوں کی دھمکیاں علانیہ ان لوگوں کو سنانے لگے۔ اسی پر مروان حضرت ابوذرؓ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سخت مخالف ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان امراء سے یہی لوگ مراد ہیں ۱۲ (دیکھو البلاذری صفحہ ۵۶ ج ۵)

سے ملاقات نہ کر سکوں گا۔[1] مطلب یہ تھا کہ گو میرے مرنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ لیکن میرے خیال میں قیامت اس سے بھی زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ اور ممکن ہے عیسیٰ علیہ السلام جن کے نزول کی خبر قربِ قیامت میں دی گئی ہے ان سے میری ملاقات ہو جائے۔

الغرض یہاں جو کچھ بھی خیال رہ گیا وہ آئندہ کا تھا۔ نہ دنیا والوں سے زیادہ ملاقات ہوتی تھی نہ ان کے ساتھ کوئی معاملہ پڑتا تھا، البتہ بعض واقعات ربذہ کے بعد بھی پیش آئے جن سے ممکن تھا کہ کوئی فساد پیدا ہو جاتا، لیکن آپ نے جس طرح اسے ٹالا وہ اپنے اندر عجیب وغریب نتائج رکھتے ہیں خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناکیں اس سے داغدار اور مجروح اس وقت بھی ہوئی تھیں اور اب بھی مجروح ہیں۔

پہلا واقعہ اور اطاعتِ عثمانی کی پہلی نظیر میں لکھ چکا ہوں کہ ربذہ کے عامل آپ کے زمانہ میں ایک حبشی غلام (مجاشع) نامی تھے جس طرح دنیاوی معاملات ان کے سپرد تھے جمعہ،[1] جماعات کا تعلق بھی ان ہی سے تھا، یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ حضرت ابو ذر رضی

---

[1] جمعہ کی نماز ربذہ میں ہوتی تھی۔ خود حضرت ابو ذرؓ بھی پڑھتے تھے۔ کما ذکرہٗ فی الکبیر، رہی یہ بات کہ وہ گاؤں تھا وہاں کس طرح یہ نماز ہوتی تھی۔ اس کا جواب فقہائے اُمت کا کام ہے۔ اتنا تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ مرفوع حدیث کا مقابلہ اثر نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ اصولِ حنفیہ پر یہ بھی کہدیا جائے کہ ربذہ مصر تھا اس لئے کہ کل موضع حلّ فیہ الامیر فھو مصر۔ امام محمد کا فتویٰ ہے اور ظاہر ہے کہ مجاشع یہاں کے امیر تھے ۱۲ [1] طبقات ابن سعد ص۱۶۸ جلد ۴۔ ۱۲

نے ان کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ آگے بڑھو۔ جس طرح پہلے نماز پڑھاتے تھے اب بھی پڑھاؤ۔ مقصدِ اقدس یہ تھا کہ اگرچہ تم غلامِ حبشی ہو لیکن اولوالامر خلیفۂ برحق نے تم کو امیر بنا دیا ہے، تو میں بھی تمھیں امیر سمجھتا ہوں جیسا کہ خود بعد کو آپ نے فرمایا:

"کہ مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر حبشی غلام بھی مجھ پر امیر بنایا جائے، تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کی باتیں سنوں اور اس کی فرمانبرداری کروں[1]۔"

گویا اس خواب کی تعبیر ربذہ میں آکر پوری ہوئی اور یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ آپ کے ربذہ آنے سے پہلے یہ غلام یہاں کے امیر تھے۔ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے بعد اسے وہاں کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔

اطاعت کا دُوسرا واقعہ عبداللہ بن سبا کو جب اس کی خبر ملی کہ حضرت معاویہؓ کی شکایت کی بنا پر خلیفۂ اسلام نے حضرت ابوذرؓ کو شام سے مدینہ بلوایا اور کعب احبار سے مناظرہ کرایا۔ حتیٰ کہ انہی وجوہ سے اب وہ گاؤں میں جا کر عزلت گزیں ہو گئے ہیں۔ اس کے کارندوں نے اور بھی نمک مرچ ملا کر اس واقعہ کو غلط آب و رنگ کیسا تھ اس کے سامنے ظاہر کیا تو اس کو فوراً خیال گزرا کہ ایسی صورت میں حضرت ابوذرؓ کو حضرت عثمانؓ سے بدظن کرنا آسان ہے، مسئلہ کنز پر نزاع موجود ہی اسی کو کسی عمدہ صورت میں پیش کر کے ان کو مخالفت پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد

چوں کہ ابوذرؓ کا تقدس وورع عام طور پر مسلمانوں میں مسلّم ہے اور خود ان کیشا ایک بڑا قبیلہ غفار کا ہے کیا عجب ہے کہ ان کو شریک کار بنا لینے کے بعد ہماری سازش مکمل ہو جائے گی اور جو آگ ہم نے تیار کی ہے، اس کے شعلے ابوذرؓ ہی کے ہاتھ سے اسلامی آبادیوں تک پہنچا دیئے جائیں۔

غرض اسی قسم کے بیہودہ خیالوں کو سامنے رکھ کر اس نے ایک وفد تیار کیا۔ بقول[1] ابن خلدون سرخیل وفد خود ہی ہوا۔ کوفہ میں اس مفسد وفد کا نظام مرتب کیا گیا اور یہیں سے ان بد باطنوں کی جماعت ربذہ روانہ ہوئی بطور مہمانی کے یہ لوگ آپ کے دولت خانہ پر آکر ٹھہرے۔ آخر موقع پر ایک شخص نے اس طرح تقریر شروع کی۔

> "اے ابوذر! اس شخص (عثمانؓ) نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا کیا (یعنی آپ کے ساتھ اتنی بدسلوکیاں کیں کہ ہم ان کی تفصیل بھی نہیں کر سکتے) پس کیا آپ تیار ہیں کہ اس کے خلاف آپ بغاوت کا پھریرا بلند کریں۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جتنے آدمیوں کی آپ کو ضرورت ہوگی اس کا پورا انتظام کیا جائے گا آپ صرف جھنڈا بلند کر دیجیے۔"

طبقات میں ان کی تقریر کا صرف اسی قدر حصہ مذکور ہے۔ لیکن یہ مفسدین جس درجہ شاطر وعیار تھے اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ جو کچھ نقل کیا گیا ہے

---

[1] ابن خلدون ج ۲ ص ۳۹

اس سے کہیں زیادہ باتیں انھوں نے کہی ہوں گی۔

بہرحال ان کے کان منتظر تھے کہ امید کی صبح لب ہائے ابوذر کی جنبش سے عنقریب طلوع ہونے والی ہے، مگر یہ ان کی بدعقلی تھی۔ انھوں نے ابوذرؓ کو بھی عیاذ باللہ ان بدحواس باختوں میں شمار کیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادتوں پر عبداللہ بن سبا کی افترا پردازیوں کو ترجیح دے کر داماد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون سے رنگین قبا ہوئے یا جو آج ان ہی مختلف روایتوں کے گورکھ دھندوں میں پھنس کر اُمّتِ اسلامیہ کے سب سے بڑے حیا پرور انسان پر شرمناک حملے کر رہے ہیں مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔ عصر حال کی کج فہمیوں کو بھی سننا چاہئے کہ نامراد جماعت کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے کیا جواب ملا؟ آپ نے انکی تقریر سننے کے بعد فرمانا شروع کیا:

"مجھ پر یہ بات ہرگز پیش نہ کرو، دیکھو اپنے بادشاہ کو ذلیل و رُسوا نہ کرو، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جس نے اپنے بادشاہ کو ذلیل و رُسوا کیا اس کے لئے توبہ کا دروازہ بھی بند کر دیا جاتا ہے۔

خدا کی قسم عثمانؓ مجھے اونچی سے اونچی لکڑی یا بلند سے بلند پہاڑ پر بھی چڑھا کر اگر پھانسی دے دیں گے تو میں اسے مانوں گا اس کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دوں گا، صبر کروں گا اور خدا سے اس صبر پر ثواب کی امید رکھوں گا۔ میں سچ کہتا ہوں اگر عثمانؓ ایسا کریں گے تو میں اپنے لئے اسی کو بہتر سمجھوں گا۔ اسی طرح اگر عثمانؓ

آسمان کے اس دروازے سے اس کنارے تک مجھے حکم دیں یا جہاں سے آفتاب اُگتا اور جہاں جاکر ڈوبتا ہے اس کے درمیان میں مجھے چلنے کا امر کریں تو میں اسے مانوں گا، سنوں گا، بجا لاؤں گا اور صبر کروں گا اور اس صبر پر خدا سے ثواب کی امید رکھوں گا اور اپنے حق میں اسی کو بہتر خیال کروں گا، اسی طرح اگر وہ مجھے گھر میں رہنے کا حکم دیں گے تو ٹھیک جس طرح گزشتہ باتوں میں میرا حال ہوا، اسی طرح اس حکم کو بھی مانوں گا، سنوں گا، اس وقت بھی ان کا مطیع و فرماں بردار رہوں گا اور اسی کو اپنے لئے بہتر سمجھوں گا، صبر کروں گا اور خدا سے اجر کی امید رکھوں گا[1]"

یہ تقریر جس بلیغ و مؤثر پیرائے میں ابوذرؓ کے اندرونی جذبات کی ترجمانی کر رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرکشوں کے ہوش اُڑ گئے ہوں گے۔ امیدِ معاونت تو کجا خود انھیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔

اللہ اکبر، جو شخص اونچی سے اونچی لکڑی کی پھانسی کو اور گھر میں رہنے کو برابر خیال کرتا ہو، دونوں فرمانوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہو، اسکی وفاشعاری کی کوئی حد ہو سکتی ہے؟

اس تقریر کے پڑھ لینے کے بعد کون دیوانہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوذرؓ کا سینہ خلیفہ ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے صاف نہ تھا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص۱۶۷ ج ۴۔ ۱۲

ہم نہیں سمجھتے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفائی میں اب اس سے اور کیا چیز پیش کریں۔ کیا لفظوں میں اس سے زیادہ اور بھی کوئی بالاتر قوتِ انسانی ہے جو کسی کی برارت کو اس سے زیادہ اور بھی صاف نکھرے ہوئے رنگ میں پیش کرسکتی ہو۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ جن کی نگاہیں تنگ اور ظرف چھوٹے ہیں، ان کو ان زور آور لفظوں کی معاونت سے چاہیے کہ اسے وسیع کریں الحاصل باغیوں نے ربذہ کے درویش کی جس وقت یہ حالت دیکھی ہکا بکا ہوکر رہ گئے اور اسی وقت انھوں نے راہِ گریز اختیار کی۔

تیسرا واقعہ اس واقعہ کو عوف شیبانی رح سے امام احمدؒ نقل فرماتے ہیں۔ عوف کا بیان ہے کہ:

ایک شخص تحفے تحائف لے کر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ربذہ آیا جب وہاں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ بقصدِ حج مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ مسند احمد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ربذہ آنے کے بعد کا ہے، لیکن طبری میں ہے کہ یہ ۲۹ھ کا ہے، جس وقت حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں آئے تھے اس شخص نے بھی کعبہ کی طرف اپنے اونٹ کی مہار پھیر لی۔ ان مسلمانوں کے سامنے جوان کے لئے لایا تھا مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ آخر منیٰ کے میدان میں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت اُسے نصیب ہوئی اور اس وقت سے وہ بھی آپ کا شریک صحبت ہوگیا۔

وہی کہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہی میں تھا کہ یکایک غل ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں بجائے دو رکعتوں کے چار رکعتیں پڑھیں

یعنی بجائے قصر کے نمازیں پوری پڑھیں۔

چوں کہ یہ بالکل جدید واقعہ[1] تھا اس لئے صحابہ میں برہمی پھیل رہی تھی۔ عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک طرف آپس میں مشورے کر رہے تھے بار بار عبداللہ بن مسعودؓ کی زبان پر یہ فقرہ آتا تھا۔

فَلَيْتَ حَظِّيْ مِنْ اَرْبَعِ رَكْعَاتٍ	کاش چار رکعتوں کے ثواب سے مجھے
رَكْعَتَانِ فَتَقَبَّلَتَانِ (بخاری)	دو ہی رکعتیں جو خدا کے نزدیک مقبول ہیں وہی ملتیں۔

ٰ ٰ ٰ

لیکن خلیفہ وقت کی اطاعت کو ان کی دقیق روحانی بصیرتیں اس قسم کے مسائل پر ترجیح دے چکی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبدالرحمٰن کو جو آخری جواب دیا تھا وہ یہ تھا:

---

[1] حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب چار رکعت پڑھی تو عبدالرحمٰن بن عوف نے آکر پوچھا ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا کہ یمن کے کچھ لوگ اور بعض گنوار بدوؤں نے اپنے ملکوں میں جاکر مشہور کر دیا کہ نماز مقیم کے لئے بھی دو دو رکعتیں ہیں یعنی دو ظہر کی اور دو عصر کی۔ کیوں کہ امیرالمومنین یوں ہی پڑھتے ہیں۔ یہ ایک سخت غلط فہمی ہے اس لئے اقامت کی نیت کر کے چار پڑھ لی اور وجہ اس اقامت کی یہ ہے کہ میں نے منیٰ میں نکاح کر لیا ہے اور یہاں سے طائف قریب ہے جہاں میری جائداد بھی ہے اس کی نگرانی کے لئے بھی اقامت کر لیتا ہوں حضرت عبدالرحمٰن نے اس پر معارضہ کیا جس کا جواب حضرت عثمانؓ نے دیا۔ یہ میری رائے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اقامت کی نیت سے جب آدمی مقیم ہو جاتا ہے تو حضرت عثمانؓ پر اعتراض ہی کیا باقی رہتا ہے۔

اَلْخِلَافُ شَرٌّ قَدْ بَلَغَنِیْ	خلاف بری بات ہے مجھے خبر
اَنَّہٗ صَلّٰی اَرْبَعًا فَصَلَّیْتُ	ملی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے چار رکعتیں
اَرْبَعًا۔	پڑھی ہیں اس لئے میں نے بھی ۴ رکعتیں پڑھیں

ہمارے مجذوب سرمست درویش کو بھی جب یہ خبر ملی، تو ابتدا میں آپ پر غصّہ طاری ہوگیا اور سخت غیظ میں جھلّا کر کہنے لگے:

میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں نماز پڑھی آپؐ نے ہمیشہ دو رکعتیں پڑھیں (یعنی قصر کیا) پھر ابو بکرؓ نے بھی دو ہی پڑھیں، عمر فاروقؓ کے وقت بھی یہی ہوتا رہا۔"

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے کچھ سخت الفاظ بھی استعمال فرمائے خیر جو کچھ ہوا ہو ہمیں دیکھنا تو یہ ہے کہ انجام کیا ہوتا ہے اور خود کیا کرتے ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد اُٹھے اور اٹھ آپ نے بھی چار ہی رکعتیں ادا کیں (یعنی قصر نہ کیا) لوگوں کو آپ کی اس شوراشوری اور پھر اس بے نمکی پر سخت تعجب ہوا۔ ایک شخص وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے فوراً پوچھا:

"کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ جس فعل پر آپ ابھی ابھی امیر المومنین کی شان میں سخت سُست سنا رہے تھے کس قدر عجیب ہے کہ کھڑے ہو کر پھر اسی فعل کے خود مرتکب ہوئے۔[1]"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں دو باتیں فرمائیں

---

[1] طبرانی ص۵۵ ج ۳۔ ۱۲

جو حق نیوشوں کے لیے ایک روشن شمع ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعد ایک سلطان ہونے والا ہے، دیکھو! اس کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرنا! جس شخص نے اسکی ذلّت کا ارادہ بھی کیا اس نے اسلام کے طوق کو گردن سے نکال پھینکا۔ اس کی دعا کبھی قبول نہیں ہوسکتی جب تک، کہ اس رخنہ کو جو اسلام کی دیوار میں پیدا کر دیا ہے بند نہ کرے اور وہ اس رخنہ کو کبھی بند نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر پھر اس سلطان کی اطاعت و فرماں برداری کی طرف رجوع کرے گا تو پھر ان لوگوں میں وہ شمار کر لیا جائے گا جو اس کی عزّت پہلے سے کر رہے تھے۔[1]

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا یَغْلِبُوْنَا عَلٰی ثَلَاثٍ اَنْ تَامُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُعَلِّمَ النَّاسَ السُّنَنَ۔	مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ یہ لوگ (خلفاء) تین باتوں پر غالب نہ آنے پائیں۔ امر بالمعروف (یعنی اچھی باتوں کی تعلیم دینے سے) اور نہی عن المنکر (بُری باتوں سے لوگوں کو روکنے سے) اور یہ کہ لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز و روش کی تعلیم دینے سے ہمیں نہ روکیں۔

÷ ÷ ÷

÷ ÷

÷ ÷ ÷

---

[1] مسند احمد۔ ۱۲۔

اس واقعہ سے ذیل کے نتائج بآسانی نکل آتے ہیں:

(۱) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف دنیاوی معاملات میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کو اپنے لیئے واجب سمجھتے تھے، بلکہ دینی حیثیت سے بھی حضرت عثمانؓ کی رضا کو امور واجبہ ذکر قصران کے نزدیک واجب ہے۔ ترجیح دیتے تھے۔

(۲) باوجودیکہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ جماعت میں شریک نہ تھے، لیکن محض خیال سے کہ جب خلیفہ نے چار رکعتیں پڑھیں، تو اب ہم پر بھی اس فعل کا کرنا ضروری ہو گیا، آپ نے تنہائی میں بھی اپنی نمازیں پوری کیں

(۳) آپ نہ صرف دنیاوی عزّت بلکہ دینی واخروی عزّت کو حضرت عثمانؓ کی عزّت کے ساتھ وابستہ خیال فرماتے تھے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس واقعہ سے یہ نتائج کیوں نہیں نکل سکتے۔

پس غور کرلینا چاہیئے کہ جب ایک مقدّس بزرگ صحابی بھی اپنی دینی عزّت کا مدار حضرت عثمانؓ کی عزّت پر سمجھتا ہے تو جو لوگ نہ صحابی ہیں نہ تابعی ان کی نجات واعزاز کی کیا صورت ہوگی؟ جبکہ وہ اپنی ہر بات میں عثمانؓ پر طعن و شناعت کرنے کو اپنا شیوہ قرار دیئے ہوئے ہیں۔

الغرض اس واقعہ کے پیش کرنے سے مجھے حضرت ابوذرؓ کی اطاعت کی ایک تصویر اتارنی تھی اور الحمد للہ کہ وہ پوری اور صاف اتری۔

یہ الگ بحث ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسا کیوں کیا؟ فقہ میں اس بات کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ میرا فرض چونکہ اس قسم کے مسائل کی تفصیل نہیں ہے

اس لئے میں اس پر مفصل بحث نہیں کر سکتا۔ ہاں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ ممکن ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے نزدیک سفر میں قصر ضروری نہ ہو، جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے کہ قصر رخصتِ شرعیّہ ہے، عزیمت اور اسقاط نہیں ہے۔" اسے محض رخصت خیال کرتے ہوں، ہو سکتا ہے کہ دیہات کے گنوار موسم حج میں اس سال زیادہ آگئے ہوں، ممکن تھا کہ اگر ظہر کی آپ دو ہی رکعت پڑھتے تو یہ لوگ گھر جاکر بھی دُو پڑھنے لگتے اور سند میں حضرت عثمانؓ کے فعل کو بیان کرتے۔ اس مصلحتِ عام کا خیال فرماکر آپ نے اگر شریعت ہی کے ایک قانون سے نفع اٹھایا تو اس میں حرج کیا ہے[1]۔

سطحی نظروں میں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن جن دلوں میں اجتہادی بصیرتیں ہیں ان کی تحقیق یہی ہے کہ حضرت عثمان رضؓ بھی قصر کو واجب سمجھتے تھے اور منیٰ میں اس وقت چونکہ آپ نے سفر کے ارادہ کو مبتدل بقصر کر دیا تھا۔ جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے یہ نہیں کہا کہ سفر میں اتمام بھی جائز ہے، اس لیے میں نے پڑھی بلکہ آپ کی ہر گفتگو سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے کو مسافرت سے نکال کر مقیم قرار دینا چاہتے تھے اور اسی کی وجوہ پیش کرتے تھے۔

اس کے بعد پھر اس معاملہ میں کوئی جان باقی نہیں رہتی اور تمام جھگڑے صرف غلط فہمیوں پر مبنی معلوم ہوتے ہیں، جو اس قسم کے مسئلوں میں عام بات ہے۔

وفات ۳۲ھ ہجری

ہجرت کا بتیسواں سال اپنی ہستی فنا کرتے ہوئے اپنے اخیر مہینے ذی الحجّہ میں قدم رکھ چکا ہے۔ عرب و

---

[1] حاشیہ میں لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس مصلحت کو بیان بھی کیا تھا۔

عجم کی بے شمار روحیں عشقِ الٰہی میں سرشار و مست ہو ہو کر مکہ معظّمہ کی وادیوں میں پھیل رہی ہیں۔ عراق کے مسافر ذاتِ عرق کے راستے سے ربذہ کی پُرفضا منزل سے گزر کر لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ کی دل گداز آوازوں سے ان دبی چنگاریوں کو بھڑکا رہے ہیں، جنھوں نے ابوذرؓ کے سینہ کو آتش دان بنا رکھا تھا۔
ربذہ کے سامنے سے جو حاجی مستانہ لباس میں پابرہنہ گزرتا، اگر اور کچھ نہیں کرتا تھا تو کم از کم ابوذرؓ کے دل کو ضرور روندڈالتا تھا۔

خصوصاً اس سال کے تمام ممالکِ محروسہ اسلام میں یہ اعلان عام طور سے شائع ہو گیا ہے کہ اس سال بھی مدینہ کا روحانی و جسمانی سلطان اپنے حقیقی مالک قدوس کے آستانہ پر جبینِ نیاز جھکانے آئے گا۔ یعنی عام طور پر یہ خبر ملک میں گرم تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حج میں بھی شریک ہوں گے۔
دور کے لوگ بیک کرشمہ دو کار کے اصول کو پیشِ نظر رکھ کر مکّہ اُمڈے چلے آتے تھے کہ حقیقی و مجازی دونوں جمال و جلال کا نظارہ ایک ہی سفر میں ملتا ہے، مختلف ملکوں کے صوبہ داروں، والیوں کے نام بھی پروانے جاری کیے گئے تھے کہ اس سال خدائے واحد کے دربار میں آ کر بیت اللہ کے خادم عثمانؓ سے مل جائیں۔

الغرض اس سال کی مختلف خصوصیتوں نے عشق کے بازار کو بہت زیادہ گرم و تیز کر دیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اسی حالت میں ربذہ کے درویش کی آگ بھی جس قدر اشتعال انگیز ہو کر بھبک رہی ہوگی، اس کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی نتیجہ یہ ہوا کہ آخر بیماریِ دل نے کام تمام کیا، مدت سے آہستہ آہستہ سلگنے والی

آگ دل وجگر کے ہر ریشہ میں پیوست ہوگئی، جو جسم انسانی تھا وہ از فرق تابقدم انگارہ اور فقط انگارہ ہوکر دہکنے لگا، حتیٰ کہ طاقتِ رفتار نے ساتھ چھوڑ دیا۔ قوتوں نے جواب دے دیا اور وہ جو کہ سامانِ سفر میں مصروف تھا بسترِ مرض پر یاس وناکامی کی چند ٹھنڈی آہوں کے بعد اس طرح لیٹ گیا کہ پھر کبھی نہ اٹھا۔

دنیا نے سمجھا کہ کوئی مادی بیماری ہے، لیکن جنھوں نے آپ کے حالات کا مطالعہ ابتدا سے کیا تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ جو چرکا مکہ کے کسی چبوترہ پر لگایا گیا تھا وہ اب گہرا ہوکر بیماری کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، حتیٰ کہ ضعف نے آپ کو اس درجہ مجبور کیا کہ باوجود قرب کے سب سے آگے رہنے والا اسرار بازار آج سب سے پیچھے رہ گیا یا رکھ لیا گیا۔ آپ جس خیمہ میں بیمار ہوکر پڑ گئے اسی کے سامنے سے روزانہ حاجیوں کا قافلہ امنگوں یا ارمانوں کے ساتھ گزرتا اور آپ کے دل پر رہ رہ کے چوٹ پڑتی۔ آرزوؤں کا ولولہ اٹھاتا اور تنِ زار کی کمزوری گرانی ایک عجیب کشاکش تھی، ہر بُن مُو سے گویا آواز آرہی تھی:

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی اور یاں
طاقت بقدرِ لذتِ دیدار بھی نہیں

ضعف کا یہ عالم کہ دو قدم چلنا بھی دوبھر تھا اور حسرتوں کی وہ سینہ زوریاں کہ جبطرح بھی ابراہیم کے سر پر چمکنے والی تجلی یا فاران والی فارقلیط کی روح کو منور کرنے والی تجلی ایک دفعہ دل وجان پر کوند جاتی، گزر جاتی۔

لیکن جہاں صرف اپنی خواہشوں کی پابندی ہو، وہاں ان باتوں کو کون پوچھے آہ ۔ ۔ ۔ با کہ جس پردۂ جلال کے ناصیہ پر

اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ اللہ تمام عالم سے مستغنی ہے۔

آتشیں حروف میں لکھا ہوا ہو" وہاں" میں یہ چاہتا ہوں" کی آواز کون سنتا ہے۔ ابوذرؓ نے چاہا، لیکن جسے ابوذرؓ چاہتا تھا، اس نے نہ چاہا۔ پھر کیا مجال تھی کہ ربذہ کا بیمار ایک قدم بھی آگے بڑھ سکتا۔

آخر یہی ہوا کہ بیماری و نقاہت نے مجبور کیا۔ حضرت ابوذرؓ اس پُرشوکت حج میں شریک نہ ہو سکے۔ کیا کرتے۔ تھک کر ربذہ کے خیمے میں پڑ گئے۔

ربذہ کے باشندے ایک تو یونہی تھوڑے تھے۔ اس پر کل سرکاری آدمی، ان بے چاروں کو کیا علم تھا کہ اُفقِ غیب میں کیا مستور ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر سُن کر وہاں کے آدمی مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔

ربذہ بالکل خالی ہو گیا۔ زندہ نفوس میں وہاں صرف آپ کا ایک جسم بیمار اور آپ کے اہل و عیال رہ گئے اور بس! ادھر مناسک و زیارت کے دن بھی قریب آ چکے تھے کہ مسافروں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ سڑک بھی سنسان پڑی تھی[1]

سبحان اللہ! کسی کی زبان سے کچھ نکل گیا تھا، فقط اس کو پورا کرنے کے لیے کیا کیا سامان ہو رہے ہیں۔ ابوذرؓ دمشق سے بلوائے جاتے ہیں۔ مدینہ سے ربذہ بھیجے جاتے ہیں۔ حج کے بہانے سے ربذہ خالی کیا جاتا ہے اور آہ کہ وقت بھی وہ رکھا جاتا ہے کہ راہ کا راہی اور سڑک کا کوئی مسافر میسر نہ آسکے

"ایں ہمہ غوغا برائے نیم جانے می شود"

---

[1] استیعاب ابن عبد البرؒ ص۸۳ ج ۴ - ۱۲

کہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ کی قوتوں کو مانو، اور اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ!

خیر جب سارا سامان تیار ہو گیا، دیکھ لیا گیا کہ شرائط جو زبان سے ادا ہوئے تھے، ٹھیک پورے ہو چکے ہیں کہ یکایک اسی ہُو کے میدان میں جہاں چند جانوں کے علاوہ دور دور تک شاید کوئی پر مارنے والا پرندبھی موجود نہ تھا، ربذہ کی صوفی خیمہ والی تیمار دار عورت (یعنی حضرت ابو ذرؓ کی حرم محترمہ تھے) ایک چیخ ماری، خدا جانے انھوں نے کیا دیکھا اور کس کو دیکھا، مگر فوراً ہچکیوں میں ملی ہوئی نرم آواز میں حضرت ابو ذرؓ کے بستر سے آواز آئی۔

"تم کو کس نے رلایا؟"

بیوی صاحبہ: تمھارا وقت قریب آگیا ہے، اور میں عورت ہوں۔ اتنی قوت نہیں کہ اس پتھریلی زمین میں تمھارے لیے کھود سکوں گی، اور آہ! کہ گھر میں ایک دھجّی نہیں جس میں تمھیں لپیٹ کر..... کر سکوں گی۔

حضرت ابو ذرؓ یہ سن کر نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ان سامانوں کا جو اصلی منشا تھا، اس کو ان الفاظ میں ظاہر فرمانے لگے:

"مت رو، اس لیے نہ رو، صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، اس وقت آپؐ نے فرمایا کہ قطعاً تم لوگوں میں سے ایک شخص چٹیل سنسان وادی میں جان دے گا، جس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ آکر شریک ہوگا اور میں اس دن سے اندازہ کر رہا ہوں کہ وہاں پر جتنے لوگ تھے ان میں سب کے سب کسی شہر یا آبادی میں وفات پا چکے اور اب

صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں، جو اس وقت اس وادیِ بے کسی میں دم توڑ رہا ہوں، بس جا! راستہ پر جاکر بیٹھ، مسلمانوں کی جماعت ضرور آرہی ہوگی کیوں کہ خدا کی قسم نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے۔"

بیوی صاحبہ:۔ خدا جانے اب لوگ کہاں سے آئیں گے، حاجیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ راستہ بالکل سنسان پڑا ہے۔

آپ نے فرمایا: "تم جاؤ تو سہی، جاکر دیکھو بھی تو! سمجھنے والوں کو اب جاکر معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس سے پہلے جو کچھ ہوا تھا ؎

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کے لیے ہو رہا تھا۔ غفار کا بہادر جوان صیدگاہِ عشق میں کودا تھا۔ اس پر جو تیر چلایا گیا تھا، آج جاکر نشانے پر بیٹھتا ہے۔

روتی دھوتی یاس و ناکامی کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ اٹھیں اور سڑک کے کنارے آکر بیٹھ گئیں۔ مایوسانہ نگاہیں اُفق تک پھیل کر کسی چیز کو انتہائی بے کسی کے ساتھ ڈھونڈ رہی تھیں اور پھر ناکامیوں کے ہجوم میں واپس آجاتیں۔ یہ سلسلہ آمدورفت کا اسی طرح قائم تھا کہ یکایک مبتدار کے چہرے سے نقاب اُٹھا گیا اور اس کی خبر گرد و غبار کی صورت میں ایک جانب سے آگئی۔ بیوی صاحبہ کا اس وقت کیا حال ہوا ہوگا، لکھنے کی ضرورت نہیں، سوچنے کی ضرورت ہے۔ پردہ چاک ہوتا ہے اور اندر سے گردنیں اٹھائے اونٹوں کی ایک

قطار انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ اس طرح اڑے چلے آ رہے تھے کہ گویا بھاری پرندوں کی ٹولیاں زنانے بھرتی ہوئی آ رہی ہیں۔ عربی عماموں والے شتر سوار گرد و غبار میں ڈوبے ہوئے اس پر سوار تھے۔ آناً فاناً وہ لوگ بیوی صاحبہ کے سر پر پہنچ گئے۔ ان لوگوں کی نگاہ یکایک آپ پر پڑی۔ اس عالم تنہائی میں ایک عورت کا اس طرح کھڑا رہنا حیرت میں ڈال دینے کے لئے کافی تھا۔ نکیلیں ڈھیلی کر دی گئیں، اونٹ روک دیئے گئے۔ جو آگے تھا اس نے آپ کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"بیوی صاحبہ آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں، آپ پر کیا حادثہ گزرا؟"

بیوی صاحبہ: "مسلمانو! ایک آدمی بے چارہ مر رہا ہے خدا کیلیے اس کے دفن کا سامان کرو۔"

اس کے بعد جو جملہ آپ کی زبان سے نکلا، دل کے ٹکڑے اُڑا دیتا ہے۔ کلیجہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔ بے نیاز کی بے نیازیوں کا مرقع کچھ اس طرح آنکھوں کے سامنے عریاں ہوتا ہے کہ دل بیٹھا جاتا ہے، اللہ اکبر، ابوذرؓ! تو نکو پیشانی گھس گھس کر صبح کر دینے والا ابو ذرؓ، آہ!۔ کہ وہی ابوذرؓ جس نے عشق و مستی میں عمر کاٹ دی توحید و سُنّت کی اشاعت میں در بدر پھرنے والا ابوذر! محض آسمانی محبوب کی رضا جوئی میں دولت و امارت سے کنارہ کش ہونے والا ابوذر! صرف اسی کی پوجا کے لیے آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلی پکھیرو کی طرح زندگی گزارنیوالا ابوذر!۔ آہ کہ وہی ابوذر، آج ایک جنگل میں جان دے رہا ہے اور اس طرح دے رہا ہے کہ ان کی بیوی، اللہ اللہ! مسافروں کے سامنے اس لیے کھڑی

ہیں کہ ان کے کفن کے لیے بھیک مانگیں۔

غنیِ مطلق کی استغنائے مطلق کی یہ کارفرمائیاں ہیں، اس روحانی بادشاہ کی بیوی کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں اور مقربوں اور صدیقوں کا زہرہ آب ہوا جاتا ہے۔

"اس بے چارے مسلمان کے پاس کفن نہیں ہے، خدارا ان کے کفن کا بھی سامان کرو۔ خدا کے یہاں اجر پاؤ گے۔"

شتر سوار نے پوچھا کہ وہ کون آدمی ہے؟ آواز آئی۔

"ابوذرؓ۔ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

یہ سُن کر ہوش اُڑ گئے، حواس خبط ہو گئے، کہرام مچ گیا، سُننے والوں نے شور برپا کر دیا، غُل تھا کہ

وہ! ان پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں، وہ! ان پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں۔"

اونٹوں کی پیٹھیں خالی ہو گئیں، کوڑے ان کی گردنوں میں لٹکا کر چیختے ہوئے گریاں و نالاں، افتاں و خیزاں مریض کے خیمہ کی طرف دوڑے[1]۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیوی کو ادھر بھیج کر اپنی بچی کو پکارا اور فرمایا:

[2]"بیٹی ایک بکری ذبح کر لو اور فوراً اس کے گوشت کو آگ پر چڑھا دو، گھر میں مہمان آرہے ہیں۔ جب وہ مجھے دفن کرلیں تو تم ان سے کہنا کہ

---

[1] یہاں تک کے واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔ مسند احمد وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ ۱۲

[2] تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۰ مطبوعہ مصر ۱۲

ابوذر نے آپ لوگوں کو خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک کھانا نہ کھا لیں،
اپنی سواریوں پر سوار نہ ہوں"

اس کے بعد فرمایا کہ مہمانوں کی ایک جماعت آنے والی ہے، جو کھاتی پیتی نہیں، لیکن خوشبو سونگھتی ہے۔ ایک نافہ مشک پڑا ہوا ہے، اسی کو گھسکر پانی میں لاؤ اور تمام خیمہ پر اسے چھڑک دو، عنقریب وہ آنے والے ہیں۔

رُوح جسم کو چھوڑ رہی ہے۔ سکرات کی حالت طاری ہے لیکن اس وقت بھی جو خیال عملی صورت اختیار کر رہا ہے وہ وہی ہے جو میں لکھ چکا ہوں کہ علم عمل پر منطبق ہو جائے۔

خلیلِ ابوذر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بتایا تھا کہ مہمانوں کا اکرام کیا کرو۔ پس گو جان نکل رہی ہے، لیکن جو قول اس میں منجذب ہو گیا تھا اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

خیر یہاں تو یہ سامان ہو رہے ہیں، اتنے میں آہ و بکا کی غوغا میں شتر سواروں کی جماعت خیمہ کے اندر آ گئی، مسلمانوں کی اس جماعت کو دیکھ کر جاں بلب ابوذرؓ کے بدن نے گویا ایک جھرجھری سی لی یکایک حجۃ الوداع کی آخری وصیتِ نبویہ صلی اللہ علیٰ صاحبہا۔

اَلَا فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ — دیکھو جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر لوگوں کو میرا قول پہنچائے۔

موت کی تمام سختیوں پر غالب آ گئی ان لوگوں کو دیکھ کر فرمانے لگے:
تمھیں خوشخبری ہو، تم لوگوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مژدہ سنا گئے ہیں (یعنی فرمایا تھا) کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے کفن و دفن میں شریک ہوگی۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی یہ تصدیق کہ فلاں شخص مسلمان ہے یا فلاں جماعت مسلمانوں کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ جاں بخش گرانمایہ مژدہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ اس کے بعد ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ایک اور مژدہ سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جن دو مسلمانوں کے درمیان دو بچے مر گئے ہوں اور ان کی موت پر انھوں نے صبر سے کام لیا ہو، اور صبر پر ثواب کی امید لگائی ہو تو یہ دونوں ہمیشہ کے لیے آگ کے شعلوں سے جدا ہو گئے۔"

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ حدیث بیان کی عموماً اس پر برانگیختہ کرنے والا تبلیغ کا جذبہ دیرینہ تھا، تاہم یہ بات البتہ قابلِ غور ہے کہ آپ نے خاص کر اسی روایت کو یہاں پر کیوں بیان کیا۔ میں اس کا قطعی جواب تو نہیں دے سکتا پھر بھی قرائن و قیاسات کا مقتضیٰ ہے کہ آپ کو یہ بھی جتانا منظور تھا کہ دیکھو ابوذرؓ دنیا سے جاتا ہے مگر اپنے افعال و اعمال پر بھروسہ کر کے نہیں جاتا، اپنے صدقات و خیرات پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد نہیں کرتا۔ ان چیزوں میں سے اس کو کسی پر غرّہ نہیں، کسی پر بھروسہ نہیں۔

ہاں صرف ایک آس ہے کہ اس کے چند بچّے مر چکے ہیں، ارحم الراحمین شاید اسی کو بخشائش و مغفرت کا ذریعہ بنا دیں۔ فقط ایک یہی چیز ہے کہ جو ممکن ہو کہ رحمتِ ایزدی کو اس کی طرف متوجّہ کر سکے اور اسی وقت پر کیا موقوف ہے بسا

اوقات لوگوں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے بھی سُنا:

وَاللّٰہِ لَوَدِدْتُ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَنِیْ یَوْمَ خَلَقَنِیْ شَجَرَۃً تُعْضَدُ وَتُوْکَلُ ثَمَرُھَا۔	خدا کی قسم میرے دل کی یہ آرزو ہے کہ کاش حق تعالیٰ نے مجھے جس دن پیدا کیا (بجائے آدمی کے اگر میں ایسا درخت بن کر پیدا ہوتا جو کاٹ دیا جاتا ہے (اور جبتک کٹتا نہیں) لوگ اس کے پھل کھاتے ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اور یہ تو ایک صوفیانہ نکتہ ہے کہ موت سے پہلے جس قدر خشیت و خوفِ خدا اپنے دل پر غالب کر سکتے ہو کرلو۔ پر جب موت کی گھڑیاں سر پر آجائیں اس وقت بیم و دہشت کو سینے سے باہر نکال کر امید و نجات و فوز رحمت و غفران سے دل کو لبریز کرلو، شیخ المجاذبہ اس وقت اسی شغل میں مصروف ہیں۔

اس کے بعد آپ کے دل سے ایک شورش انگیز، روح فرسا، حوصلہ گسل آواز اٹھی اور بصد حسرت و یاس اٹھی، صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اے کاش کہ میرے پاس اتنے کپڑے ہوتے کہ میں اس میں سما کر اسے کفن بنا لیتا۔ تو پھر میں اس کے علاوہ کسی کفن کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

مگر..... (یعنی جو خدا کی مرضی یہی ہے کہ اپنے کفن میں لپٹا نہ جاؤں، اور آپ لوگ اپنا کفن دیں، اب آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں، خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے جو شخص بھی کفن دے وہ نہ تو کسی صوبے کا

والی ہو نہ عریف[1] اور نہ ڈاکیہ ہو"

اتفاق تو دیکھو کہ اس جماعت میں جتنے آدمی تھے، قریب قریب ہر ایک ان عہدوں میں سے کسی ایک پر ممتاز تھا۔ صرف ایک انصاری جوان البتہ ایسا تھا جس میں یہ باتیں نہیں تھیں۔ وہی بول اٹھا کہ مجھ میں آپ کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور میرے تھیلے میں دو چادریں بھی نئی رکھی ہیں۔ جن کے سوت میری ماں کے ہاتھ نے کاتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان چادروں کو میری ماں نے بُنا ہے اور ایک چادر یہ ہے جو میرے بدن پر پڑی ہے۔ ملا کر تین کپڑے ہو جاتے ہیں جو کفن کے لئے کافی وافی ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سُن کر فرمایا:

"ہاں تم میرے حسب منشار ہو، بس انہی کپڑوں میں مجھے کفنانا"

اس گفتگو کے بعد اور کیا کیا باتیں ہوئیں، مؤرخین ان سے ساکت ہیں۔ ہاں، طبقات ہی میں ایک اور روایت موجود ہے، جو بظاہر بلکہ یقیناً اس روایت کے مخالف ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس تضاد پر تنبیہ بھی کی ہے اور بغیر کسی جواب کے آگے نکل گئے ہیں۔

لیکن میرے نزدیک راویوں سے اس میں چوک ہوئی ہے۔ اَقرَبُ اِلَی الصِّحَّۃِ اس کی ترتیب یوں ہوتی ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا: کہ "مجھے نہلا دھلا کر کفن پہنا کر سڑک پر لے جا کر ڈال دینا اور دیکھتے

---

[1] اعراف ایک جماعت کے اس نائندے کو کہتے ہیں جو حکومت کے سامنے جماعت کا ذمہ دار ہو ۱۲

رہنا۔ سب سے پہلے سواروں کی جو جماعت گزرے ان کو ٹھہرا کر
کہنا کہ یہ ابوذر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تم لوگ
اس کے دفن میں میری مدد کرو۔"

۸ ذی الحجہ ۳۲ھ ہجری | اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ خدا کی ہر چیز خدا ہی
کی طرف جانے والی ہے۔ آخر وہ وقتِ عظیم
آگیا۔ آسمانوں سے فرشتے اتر پڑے اور اس خستہ و نزار سوختہ و بریاں جان کو
جس نے خدا جانے اس عنصری دور میں نشیب و فراز عالم کے کتنے حوادث دیکھے
اور خود اس قفس خاکی میں بند ہو کر کیا کیا، کیا تھا۔

اسی کو لینے کے لیے۔ دنیاوی محبسوں سے نجات دینے کے لیے،
قدسیوں کی جھرمٹ میں موت کا فرشتہ مشک بیز خیمہ میں اپنے میزبان کے پاس
پہنچ گیا۔

حجابات اٹھنے لگے، ان دیکھی چیزیں آنکھوں کے سامنے چلتی پھرتی
نظر آنے لگیں۔ ابوذرؓ نے ٹوٹی ہوئی آواز میں دنیا والوں کو اس آخری لفظ
سے مخاطب فرمایا: "قبلہ کی طرف میرا رخ کر دو۔!"

اس آخری حکم کی آخری تکمیل کر دی گئی اس کے بعد خلوص و سچائی کے اندر
ڈوبے ہوئے الفاظ فضائے خیمہ میں اس طرح گونجے۔

"بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ"
ان پاک آوازوں کے ساتھ خاکِ آب و آتش و باد کے کرّے ایک
تاباں روشنی اور مقدس تعلق سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔ سراجِ منیر

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے دمکنے والا ماہتاب ٹھیک آٹھ ذی الحجہ کو ربذہ کے حوالی اُفق میں غروب ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ نفسِ مطمئنّہ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ کی صدائے رُوح پرور زمین سے اُکھڑی اور جہاں بلائی گئی پہنچ گئی۔ جس نے اپنے کو خدا کے لیے بنا دیا تھا وہ نہایت امانت کے ساتھ پیمانِ وفا کو پورا کرتے ہوئے جلال و جمال کی مستور کوششوں میں غرق ہو کر جس کے لیے تھا اسی کے پاس چلا گیا۔

وَمَا کَانَ قَیْسٌ ھُلْکُہٗ ھُلْکَ وَاحِدٍ

وَلٰکِنَّہٗ بُنْیَانُ قَوْمٍ تَھَدَّ مَا

مجذوبوں کا سردار رئیسُ الطّائفہ، فقیری کی ایک جدید یادگار چھوڑ کر دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا۔

جنازہ آنکھیں بند کی گئیں، انگوٹھے باندھے گئے۔ غسل دینے والوں نے نہلایا۔ انصاری نوجوان نے کپڑے نکال دیئے اور اس جسم کو جس نے اسلام کے بعد خدا کی مرضی میں اپنی خواہشوں کو جذب کر دیا تھا۔ ایک غیر کے کپڑے میں کفنایا گیا۔ حسبِ وصیت آپ کا جنازہ اٹھایا گیا اور عام گزرگاہ پر لا کر رکھ دیا گیا۔

ادھر کوفہ سے استاذُ المسلمین، معلّم الاُمّت، فقیہُ الاسلام حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عُمرہ کا احرام باندھے مع ایک جماعت کے مکہ مکرّمہ کے ارادے سے تشریف لا رہے تھے۔

آپ کو اس المناک سانحہ کا علم تھا یا نہیں۔ مجھے کیا معلوم۔ تاہم ظاہر

حال یہ تھا، کہ آپ نہایت تیزی کے ساتھ اپنے اونٹ کو بھگاتے ہوئے لا رہے تھے۔ قریب تھا کہ جس کا جنازہ بے کسی کے ساتھ راستہ پر پڑا ہوا تھا وہ سواری کے نیچے آجائے۔ لیکن یکایک آپ ٹھٹک گئے جنازہ کو اس طرح پڑا ہوا دیکھ کر اپنے اونٹ کو روک لیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی ٹھہرا لیا۔ لوگ سڑک کے نیچے آنے والوں کا انتظار کر رہے تھے ان لوگوں کو دیکھ کر سامنے آگئے اور کہا۔

"ابوذر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے دفن میں ہم لوگوں کی مدد کیجئے۔"

ایک زبردست دھماکہ تھا، جس نے اچانک ابن مسعودؓ کی رُوح میں زلزلہ ڈال دیا۔ ابن البرؒ کی روایت ہے کہ آپ نے ایک چیخ ماری اور مجنونانہ اپنے اونٹ سے اتر پڑے۔ روتے جاتے تھے اور عالم وارفتگی میں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے "میرے دوست، میرے بھائی، اخیر میں فرماتے:

"مبارک ہو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذر اکیلا ہی چلتا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا، اکیلا ہی اٹھے گا۔"

حتیٰ کہ کم از کم مرنے والا اگر اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاتا تو اپنے گھر کا کفن یقیناً لے جاتا ہے۔ لیکن ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا یہ عالم ہے کہ کفن بھی اس کے ساتھ اپنا نہ تھا۔ لوگوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے نماز کی درخواست کی، جنازہ آگے رکھا گیا۔ اس وقت کا

نظارہ کتنا عظیم الشان اور دل ہلا دینے والا نظارہ ہوگا۔ سامنے اس کا جنازہ رکھا ہوا ہے جو اپنے محبوب سے اسی طرح ملنے جا رہا ہے جس طرح اُسے چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے تھے۔

جنازہ کا امام وہ شخص ہے جس کی مرضی، دنیا کے سب سے بڑے آدمی کی مرضی قرار دی گئی اور جن کے عہد و علوم پر اعتماد کرنے کی وصیت خدا کے آخری پیغام بر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی[1]

اور صفوں میں مبشرین کی وہ جماعت ہے جن کے اسلام کی تصدیق سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی۔ اور جن کا بیش تر حصّہ ان لوگوں پر شامل تھا جن کے ملک سے عرب ممالک کے بنی ہاشم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی خوشبو آئی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ پہلا گروہ کل یمانیوں پر مشتمل تھا۔ ابنِ اثیر نے دونوں گروہوں کے آدمیوں کے ناموں کی تفصیل بھی لکھی ہے۔ میں بھی ان کی تفصیل اسی سے نقل کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رض، اسود بن یزید رض۔ علقمہ بن قیس نخعی رض
مالک بن الاشتر نخعی رض۔ طلحال جنتی۔ حارث بن سوید تمیمی رض۔
عمر بن عتبی السلمی رض۔ ابن ربیعہ سلمی رض۔ ابوالفرز تمیمی رض۔ ابورافع مزنی رض
سوید بن شعبہ تمیمی رض۔ یزید بن معاویہ تمیمی رض۔ اخا القرتع الضبی رض۔ اخو معضد الشیبانی رض۔

---

[1] بخاری و حدیث کی دوسری کتابوں میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے یہ مناقب مذکور ہیں تفصیل کیلئے دیکھئے میری کتاب "تدوینِ فقہ" ۱۲۔ [2] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

الغرض میدانِ میں بصد بیکسی جو دم توڑ رہا تھا۔ محض اس کی خاطر تھی کہ کوفہ کی زمین ہلائی جاتی ہے۔ فقیہ الاسلام، معلم الامت، کو زبردستی کھینچ کر جنازہ پر لا کھڑا کیا جاتا ہے۔ تاکہ جاننے والے جانیں خدا کے لیے جو مرتا ہے خدا اس کے لیے کیا کچھ کرتا ہے۔

مجھے بار بار حیرت ہوتی ہے کہ حج کا موسم جب ختم ہو رہا ہے ایامِ حج بھی گزر رہے ہیں۔ ایسے وقت میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکہ آنا ایک محض بے موقع سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان کو اگر آنا تھا پھر خواہ مخواہ چند دنوں کے لیے انھوں نے حج کو کیوں چھوڑا، میں اس معمہ کو بالکل نہیں سمجھ سکا۔ پھر اس پر ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ: "دیکھتے رہنا کوئی آتا ہوگا"، عجیب اسرار ہیں جو علت و معلول کے سلسلہ میں کسی طرح درج نہیں ہوتے۔ رہ رہ کر میری زبان پر یہ مصرعہ جاری ہو جاتا ہے کہ:

اے زائرِ حرم غرض زیں طواف خانہ چیست

نماز کے بعد جنازہ اٹھا۔ کن کاندھوں پر اٹھا اور کس کا اٹھا چشم بصیرت دیکھے اور رشک و غبطہ کی موجیں دلوں سے اچھل اچھل کر نجات کی راہیں ڈھونڈنے والوں کو تڑپائیں۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ کا) کی یہ عجیب خصوصیت ہے۔ عام طور پر لوگوں کی تمنا ہوتی ہے کہ میرے جنازے کی نماز کوئی عالم دین پڑھاتا۔ لیکن قدرت نے حضرت ابوذرؓ کے لیے اسی آرزو کو عجیب طرح پورا کیا کہ اسلامی دینیات کے زیادہ معتبر ترین شکل یعنی "حنیفیت" جس صحابی اور تابعیوں کے ذریعے سے امت تک پہنچی ہے اس فقہ کے تینوں امام یعنی عبد اللہ بن مسعودؓ، علقمہ اور اسود سب اس میں شریک ہیں ان بزرگوں کے صحیح مقام اگر جاننا چاہتے ہو تو میری کتاب "تدوین فقہ" میں دیکھو

سب سے پہلی منزل کے دہانے پر غفار کے سب سے بڑے انسان کو لایا گیا۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور لوگوں کے ساتھ قبر میں اترے اُتر کر اس سرچشمۂ صدق و امانت کو جس سے زیادہ سچی زبان والے انسان پر آسمان نے کبھی سایہ نہیں ڈالا تھا۔ اور نہ جس سے زیادہ صدیق و راست باز لہجہ کو زمین نے اپنی پشت پر کبھی اٹھایا تھا۔ ربذہ کی ایک کنجِ عافیت اور شکمِ زمین میں ہمیشہ کے لیے مستور و مخفی کر دیا گیا اور وہیں آج تک موجود و مودّع ہے۔ عام زیارت گاہ ہے۔ پس جو تنہا ہی چلتا تھا تنہا ہی رہتا تھا۔ وہ تنہا ہی عرصہ بلا و آزمائش سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔ اور ربذہ کے صحرا میں تنہا ہی سویا ہوا ہے تا ایں کہ جب اٹھنے کا دن آئے تو وہ اس دن بھی تنہا ہی اٹھے۔

حقیقی جذب و مستی کا چراغ گو اس کے بعد گُل ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی جہاں کہیں اس کی روشنی پائی گئی یا اِس وقت بھی پائی جاتی ہے وہ اسی کے فیض ریز شعاعوں کا نتیجہ ہے اور آئندہ عیسوی زہد و ورع کے ہدیٰ محمدی علیٰ صاحبہا اَلفَ اَلفَ صلوٰۃٍ و تحیۃٍ کے ساتھ جہاں کہیں بھی ہو وہ اسی اجتماع کا اثر جاری ہے فَرَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَعَنِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ بِاِحْسَانٍ۔

حضرت ابنِ مسعودؓ کی روانگی اور آپکے اہل و عیال کا انتظام

الغرض قضا و قدر نے جو کچھ چاہا وہ ہوا۔ دفن کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے رفقار کے ساتھ باچشمِ تر خیمہ میں آگئے۔

بیوی صاحبہ اور آپ کی یتیم صاحبزادی صاحبہ وہاں موجود تھیں۔ آپؓ نے

تسلّی وتشفّی کے کلمات ان کو کہے۔ خود بھی سنبھلے، ان کو بھی سنبھالا، جب گو نہ سکون پیدا ہو گیا تو چلنے کے ارادے سے اٹھے۔

حضرت ابوذرؓ کی صاحبزادی نے پوچھا۔ کہ کہاں تشریف لے چلے، ابّا نے وصیّت کی ہے اور خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ لوگ کچھ کھا نہ لیں، سوار نہ ہوں، انھوں نے اپنی زندگی میں بکری ذبح کرا کے پکنے کا حکم دے دیا تھا جو پک کر رکھی ہوئی ہے۔

یہ فرما کر کھانا پیش کر دیا، کھایا تو کیا جاتا، لیکن مرنے والے کے اس خلوص کو دیکھ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنگ رہ گئے۔ اور یہ ہونا چاہیئے تھا کہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اس دم بھی عمل کیا تھا، جب دنیا میں وہ اپنی آخری سانس پوری کر رہے تھے، تاکہ یہ دعویٰ کہ "میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ملوں گا جس طرح آپؐ نے مجھ کو چھوڑا ہے۔ عملی طور پر مدلّل ہو جائے۔

الغرض جو کچھ کھایا جا سکا کھانے والوں نے کھایا۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کیا؟ طبری نے اس کے متعلق دو روایتیں درج کیں ہیں۔ ایک میں یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ کے تمام اہل وعیال کو ساتھ لے لیا اور مکہ معظمہ میں جا کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کر دیا۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ نہیں، ان لوگوں کو تسلی دلاسا دے کر آپ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس جانکاہ حادثے کی خبر دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت صدمہ ہوا۔ اور بجائے

اصلی راستہ کے آپ مدینہ ربذہ کی طرف سے لوٹے راستہ میں ربذہ میں اترے اور تعزیت وغیرہ کر کے سب کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آئے۔

الغرض خواہ یہ ہو یا وہ ہو اس پر دونوں روایتیں متفق ہیں کہ:

	حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
ضَمَّهُ عُثْمَانُ إِلَىٰ أَهْلِهِ۔	حضرت ابوذرؓ کے بال بچوں کو اپنے اپنے بال بچوں کے ساتھ ملالیا۔

☆ ☆

فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنِّيْ وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔ پھر دنیا نے ختم نبوت کے فیض صحبت کے آثار کو سرشاری و ہشیاری، بے کاری و باکاری، خواب و بیداری نیستی و ہستی کی اس عجیب ترکیبی وجود کو کبھی نہیں دیکھا۔

حیدرِ کرّار (کرم اللہ وجہہ) کے تلمیذ امامِ فنِ نحو حضرت ابو الاسود دؤلی نے یہ فرمایا تھا:

رَأَيْتُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْتُ لِأَبِي ذَرٍّ شَبِيْهًا۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو میں نے دیکھا، لیکن ابوذر جیسا تو کسی کو نہ دیکھا (مسند احمد)

المغرور بالامانی

مناظر احسن گیلانی غفر اللہ لہٗ

یہ ایڈیشن

مضمون کے لحاظ سے کتاب کا موجودہ ایڈیشن "نفیس اکاڈمی لاہور" کے مطبوعہ اصل نسخے کے مطابق ہے۔ البتہ لیتھو کی خراب طباعت تھی اور بے شمار اغلاط سے پُر تھا۔ اس لیے دوبارہ از سرِ نو عکسی کتابت وطباعت اور تصحیح کے کامل اہتمام کے ساتھ یہ نسخہ منظرِ عام پر لایا گیا ہے۔

یقین ہے کہ موجودہ اُونچ نیچ کے بحرانی دور میں "حضرت ابوذر غفاری" کی سوانح کا بار بار غایر مطالعہ ملّتِ اسلامیہ میں اعتدال اور خصوصاً اہلِ ثروت افراد میں ایثار کے جذبے کا محرک ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کی اشاعت میں کسی طرح بھی حصّہ لینے والوں کو اپنی مرضیات کی توفیقِ ارزانی فرمائے۔ آمین!

عبدالسّلام خان قاسمی

دارُالکتاب
مسجد رحمت روڈ، گنیش نگر، کاندیولی (ویسٹ) بمبئی